55 Rahmaan
Makky
Aayaath 78

55 الرحمن

(۵۵)

یہ سورت مکی[1] ہے اور اس میں اٹھتر[2] آیتیں ہیں

سورۃ الرحمٰن زینت قرآن

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: لکل شیئٍ عروس وعروس القرآن الرحمٰن۔ (بیہقی) ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور قرآن کی زینت (سورۃ) الرحمٰن ہے" اس وجہ سے اس سورت کو عروس القرآن بھی کہتے ہیں۔

لہ حضرت ابن عباس اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے اس سورت کے مدنی ہونے کی بھی روایات ہیں لیکن خود ابن عباسؓ، اسماءؓ بنت ابی بکرؓ، ام المؤمنین عائشہؓ صدیقہؓ، ابن زبیرؓ سے روایات ہیں کہ یہ سورت مکیہ ہے اور یہی قول جمہور کا ہے۔ اس لئے ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ٹے۔ قراء بصرہ کے نزدیک اس کی آیات (۷۶) اور قراء حجاز کے ہاں (۷۷) اور قراء کوفہ کے پاس (۷۸) ہیں۔ واللہ اعلم۔

سورۃ الرحمٰن کی فضیلت جناب سیدہ حضرت فاطمۃ الزہرا علی ابیہا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام فرماتی ہیں کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:۔ قاریٔ الحدید واذا وقعت الواقعۃ والرحمٰن یدعی فی ملکوت السمٰوات والارض ساکن الفردوس (بیہقی بروایت ضعیفہ[1]) سورۂ حدید، واقعہ اور الرحمٰن کے پڑھنے والے کو ملکوت سماوات وارض میں وسط جنت میں رہنے والے کے نام سے بلایا جاتا ہے۔" سبحان اللہ! یہ کیسی فضیلت ہے؟

سورۃ الرحمٰن شرح سورۂ قمر سورۂ قمر کے بعد سورۃ الرحمٰن کی مناسبت ظاہر ہے کہ سورۂ قمر کے اخیر میں قیامت، نیز مجرمین اور متقین کا اجمالاً ذکر آیا تھا۔ اس سورت میں اون کا بیان تفصیل سے آرہا ہے گویا یہ سورت، سورتِ ماقبل کی شرح ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ سورت ماقبل میں قیامت کے باب میں ارشاد ہوا تھا:۔ بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر بلکہ اون کے وعدہ کا وقت قیامت ہے

[1] بیہقی نے اس روایت کو اگرچہ ضعیف تبلایا ہے لیکن حدیث شریف کا تعلق چوں کہ فضائل سے ہے اور فضائل میں حدیث ضعیف بھی حجت ہے۔ یعنی محدثین کرام اس کو مستند تصور کرتے ہیں اسی لئے ہم نے اس کو یہاں درج کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور ساعت قیامت نہایت کٹھن اور تلخ ہے ۔ اور مجرمین کے باب میں آیا تھا۔ انّ المجرمین فی ضلال وسعر یقیناً مجرمین گمراہی میں ہیں جن کا مقام دوزخ ہے “ اور متقین کے باب میں تھا: ۔ انّ المتقین فی جنّٰت ونھر ۔ یقیناً متقین باغات اور نہروں میں ہوں گے “ یہاں ان امور ثلاثہ کی تفصیل آرہی ہے ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے “ 55-1

اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۗ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ 55-2

55-3

رحمٰن نے سکھایا قرآن ، بنایا آدمی پھر سکھایا اوس کو بات کرنا “ 55-4

ایک نکتہ ابو حیانؒ کہتے ہیں کہ سورت ماقبل کے ختم پر عند ملیک مقتدر ارشاد ہوا تھا ۔ یعنی متقین پورے اقتدار والے مالک کے حضور میں ہوں گے “ تو سوال ہوتا تھا کہ وہ کون ہے؟ ارشاد ہوا: ۔ وہ ”رحمٰن“ ہے جس کی رحمت کی کوئی حد نہیں ۔ بے پایاں رحمت والا ۔ حدیث شریف میں ہے: ۔ رحمٰن الدنیا ورحیم الآخرۃ ۔ دنیا میں عام رحمت والا اور آخرت میں خاص رحمت والا “

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ کی رحمت عامہ جو دنیا اور اہل دنیا پر ہے ایسی بے نہایت ہے کہ ہر چیز اوس سے متمتع ہو رہی ہے یہاں تک کہ خدا کا منکر (کافر، زندیق، ملحد، بلکہ ابلیس) بھی اوس سے فائدہ اٹھا رہا ہے یہ معنی ہیں رحمٰن الدنیا کے۔ اور رحمت خاصہ جو آخرت کی ہے وہ مخصوص طور پر اہل ایمان کے لئے ہے اوس میں غیر مومن کا کوئی حصہ نہیں۔ اگر رحمت آخرت سے بہرہ ور ہوتا ہے تو ایک ہی صورت ہے کہ ایمان لائیں۔

الرحمٰن کی تفسیر | "الرحمٰن" گو اسم صفت اور صیغہ مبالغہ ہے لیکن اپنی وسعت و عظمت کے لحاظ سے اسم ذات کا حکم رکھتا ہے یہی سبب ہے کہ جملہ اسماء حسنی پر اس کو تقدم حاصل ہے۔ اسم ذات "اللہ" کے بعد رحمٰن ہی کو جگہ دی جاتی ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ قل ادعوا اللہ اوادعوا الرحمٰن اے نبی کریم! آپ فرما دیجئے کہ تم اوس کو اللہ کے نام سے یاد کرو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔" حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں جب کبھی کسی کا نام عبدیت کے ساتھ رکھا جاتا تھا تو عبد اللہ یا عبد الرحمٰن ان ہی دو میں سے کوئی ایک نام رکھا جاتا تھا۔ قرآن کریم میں بھی عبدیت کے ساتھ ان ہی دو اسماء حسنیٰ کو لایا گیا ہے۔ قال انی عبد اللہ (مریم)

انہ لما قام عبد اللہ (جن) و عباد الرحمٰن (فرقان) ۔ دیگر اسماء حسنی کیساتھ عبدیت کو ملانے کا طریقہ عہد صحابہ و تابعین میں رائج ہوا ۔ رحمٰن کے بعد رحیم کا مقام ہے یہی وجہ ہے کہ رحمٰن کی صفت رحیم کے ساتھ ہی لائی جاتی ہے جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ثابت ہے ۔

بہر حال رحمٰن بھی اسم ذات ہی ہے جو تمام اسماء و صفات کا جامع ہے ۔ اس سورت کریمہ میں جن جن نعمتوں اور آیات کا بیان آیا ہے وہ اسی بنا پر ہے ۔ واللہ اعلم ۔

امام غزالی کی تصریح امام غزالیؒ فرماتے ہیں : ۔ الرحمٰن ہو العطوف علی العباد بالایجاد اوّلاً و بالھدایۃ الی الایمان واسباب السعادۃ ثانیاً والاسعاد بالآخرۃ ثالثاً والانعام بالنظر الی وجھہ الکریم رابعاً ۔ "رحمٰن" وہی ہے جو بندوں پر بے حد مہربان ہے کہ اولاً اون کو عدم سے وجود میں لایا اور ثانیاً اسباب سعادت پیدا کرکے اون کو ایمان کی رہبری فرمائی، اور ثالثاً سعادت آخرت سے سرفرازی بخشی، اور رابعاً اپنی ذات کریم کی رویت کا انعام مقرر فرمایا ۔" اب کوئی ہے جو اس رحمت بے پایاں کی قدر کرے ؟

قرآن کریم نعمت عظمیٰ ہے انسان چونکہ عجولؔ (جلد باز)، اور ظلوم و جہولؔ واقع ہوا ہے اس لئے اللہ سبحانہ نے اپنی رحمت کاملہ سے اس سورۃ کریمہ میں اپنی ہر نوع کی نعمتوں کا بیان فرمایا خواہ وہ دنیوی ہوں یا اخروی، جسمانی ہوں یا روحانی، آفاقی ہوں یا انفس سے تعلق رکھتی ہوں جلی ہوں یا خفی۔ پھر ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت، جو تمام قسم کی نعمتوں کی جامع ہے اوس کا بیان سب سے مقدم تر فرمایا کہ اگر کم از کم اس کی قدر کی جائے تو ساری نعمتوں کا حصول اوس کے لئے ممکن ہو اور معلوم ہو کہ یہ بھی اوس کی رحمانیت ہی کا اقتضا ہے ارشاد ہے :—

عَلَّمَ الْقُرْاٰن کی تفسیر عَلَّمَ الْقُرْاٰن۔ (اوسی رحمٰن نے) قرآن کریم کی تعلیم دی ہے اور اس کا اہتمام فرمایا۔ سورۂ نجم میں ارشاد ہوا تھا: —

عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی۔ مضبوط قویٰ اور زبردست قوتوں والے فرشتے (جبرئیل) نے اس کی تعلیم دی۔ یہاں یہ وضاحت فرمادی کہ وہ اہتمام بھی "رحمٰن" ہی کا تھا معلم حقیقی "رحمٰن" ہے اوسی نے جبرئیلؑ کے واسطہ سے وہ سارا انتظام فرمایا تھا۔ جبرئیلؑ تو صرف واسطہ اور ذریعہ تھے۔ ورنہ کجا انسان ضعیف البنیان، اور کجا قرآن، جس کا تحمل، زمین اور آسمانوں، اور

بلند بلند پہاڑوں سے نہ ہو سکا اور جس کے آگے بڑے بڑے پہاڑ بھی پاش پاش اور ریزہ ریزہ ہو رہے تھے۔ ایسے قرآن کو سہل سے سہل تر بنا یا اور سورۂ قمر میں بار بار فرمایا:۔ ولقد یسرنا القرآن۔ ہم ہی نے قرآن کو آسان کیا" اور یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ رحمٰن ہی نے قرآن کی تعلیم دی اب غور کرنا چاہیئے کہ اس میں رحمٰن کی کیسی کیسی بے پایاں رحمتیں کارفرما ہیں؟

حاملینِ قرآن کی فضیلت

یہی سبب ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ اشراف امتی حملۃ القرآن واصحاب اللیل۔ میری امت میں سب سے بلند مرتبہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کے حامل یعنی اوس کے عالم، حافظ، عامل اور رات والے ہیں" جو راتوں کو اوٹھ اوٹھ کر قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ نماز میں بھی اور خارج نماز بھی۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا:۔ خیرکم من تعلّم القرآن وعلّمہ۔ تم میں سب سے بہتر وہی ہے جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو اوس کی تعلیم دی" بس اسی تعلّم و تعلیم میں وہ لگا رہا اور اسی میں اوس کی عمر گزری۔ کیوں نہ ہو یہ عمل جبرئیلؑ، سنتِ ہبیطِ وحی و تنزیل اور صفتِ ذاتی ربِ جلیل تعالیٰ ہے۔

اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا۔

تخلیق انسان اور تعلیم بیان | خلق الانسان علمہ البیان۔ انسان کو پیدا کیا، اوس کو بات کرنی سکھائی "یہاں سے دوسری تیسری نعمت کا بیان ہو رہا ہے۔ عدم سے وجود میں لانا جس کی تعبیر خلق سے کی گئی ہے یہ بھی نعمت ہے پھر اوس کو ما فی الضمیر کے اظہار کا طریقہ اور سلیقہ سکھانا یہ بھی نعمت ہے اور ہر نعمت بجائے خود ایک ایک نعمت عظیمہ ہے جس کی کوئی قیمت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ سب کچھ مفت، بلا محنت، بغیر کسی عمل کے جو انسان نے کیا ہو۔ ایسی عظیم الشان نعمتیں انسان کو بلاتخصیص احدے یوں ہی بخش دی گئیں کہ ان سے مدۃ العمر فائدہ اٹھاتے رہو۔ اور اگر دانائی اور سمجھ سے کام لو تو ایسے فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں جو انسان کے لئے ابدالآباد کارآمد و مفید ہوں۔ بلاشبہ یہ رحمٰن کا عطیہ ہے۔

تفسیر سلف صالحین | ابن جریجؒ فرماتے ہیں:۔ آدم بیّن لہ سبیل الھدی وسبیل الضلالۃ۔ (ابن المنذر) یعنی آدم کو پیدا کیا اور آپؑ کو راہ ہدایت، اور راہ ضلالت، دونوں واضح طور پر بتا دیئے"۔

قتادہؒ کہتے ہیں:۔ آدم علمہ اللّٰہ بیان الدنیا والآخرۃ بیّن حلالہ وحرامہ لیحتج بذلک علیہ وللّٰہ الحجۃ علی عبادہ

(عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) آدمؑ کو اللہ نے دنیا اور آخرت کی ساری تعلیم دی، اللہ نے کن چیزوں کو حلال ٹھہرایا اور کن کو حرام سب کچھ بتا دیا۔ تاکہ ہر موقع پر اوس کے بتائے ہوئے طریقہ سے اپنے دعوے کی دلیل پیش کرتے رہیں اور بندوں پر اللہ سبحانہ کی حجت ہی غالب ہے۔

حضرت آدمؑ سات لاکھ زبانیں جانتے تھے

بحر العلوم میں ہے:۔ خلق الانسان ای آدم وعلّمہ الاسماء واللغات کلّھا وکان آدم یتکلّم بسبعمائۃ الف لغۃ افضلھا العربیۃ

اللہ سبحانہ نے آدمؑ کو پیدا کیا اور اون کو تمام اسمار اور تمام زبانیں سکھائیں چنانچہ آپ سات لاکھ زبانوں میں گفتگو فرماتے تھے جن میں عربی ہی سب سے زیادہ فضیلت والی زبان تھی۔

"بیان" کی تفسیر میں اور اقوال بھی ہیں جن کو بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔ آگے ارشاد ہے:۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ 55

سورج اور چاند ایک حساب پر ہیں' اور چھوٹے جھاڑ (بیلیں وغیرہ) اور درخت سجدہ کرتے ہیں "

الشمس والقمر بحسبان کی تفسیر قتادہؒ کہتے ہیں :- بحساب الی اجل (عبدبن حمید' ابن جریر' ابن المنذر) سورج اور چاند ایک مقرر کردہ حساب پر رواں ہیں جن کی روانی ایک مدت تک ہے "

ابو مالکؓ فرماتے ہیں :- علیہما حساب و اجل کا جل الناس فاذا جاء اجلہما ھلکا۔ (عبدبن حمید' ابن المنذر) یہ دونوں بھی ایک حساب پر اور ایک مدت کے لئے ہیں جیسے لوگوں کا ایک وقت مقرر ہے۔ جب ان کا وقت مقررہ آجائے گا تو یہ بھی فنا ہو جائیں گے " نہ سورج رہیگا اور نہ چاند ۔ع یہ سب تجھی یہ مٹیں گے رہیگا تو باقی ۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں :- بحساب و منازل یرسلان۔ (فریابی' عبدبن حمید' ابن جریر' ابن المنذر' ابن ابی حاتم' حاکم بروایت صحیحہ) ان کا ایک حساب ہے اور ان کے منازل مقررہ ہیں جن پر یہ رواں ہیں "

نظام علویات علویات کا بیان ہو رہا ہے کہ سورج اور چاند کا طلوع و غروب' گھٹنا بڑھنا' یا ایک حال پر رہنا' موسموں کی تبدیل' سفلیات پر

تاثیر اس کا ایک خاص حساب ضابطہ اور نظام ہے کہ اس میں تخلف ممکن نہیں یہ سلسلہ ایک وقت معہود تک قائم رہیگا جب تک خدائے رحمٰن کو منظور ہو۔ انسان کو بھی اسی نظام کے تحت اپنا فرض انجام دینا ہے۔ اور اپنی دنیا و آخرت کو سنوارنا ہے یہ اوسی وقت ممکن ہے کہ زندگی کے ایک ایک لمحہ کو غنیمت جانے اور رحمٰن کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلتا رہے جس کی رہنمائی قرآن کریم اور اوس کے رسول فرماتے ہیں۔

نجم و شجر میں فرق اسی طرح سفلیات میں سے چھوٹے جھاڑ اور بڑے بڑے تناور درخت ہیں کہ اون کا بھی ایک خاص نظام ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ النجم ما انبسط علی الارض والشجر ما کان علی ساق (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم ابوالشیخ، حاکم بروایت صحیحہ) "نجم" وہ پودے جو زمین پر پھیلے ہوئے ہیں یعنی بیلیں، اور "شجر" وہ درخت جو تنہ پر کھڑے ہوں۔ ابو رزینؒ کی تصریح یہ ہے:۔ النجم ما ذھب فرشا علی الارض لیس لہ ساق والشجر ما کان لہ ساق، ظلھما سجودھما۔ (ابن جریر، ابوالشیخ) جو زمین پر بچھے ہوئے ہوں اور اون کی تنہ نہ ہو وہ "نجم" ہے اور جس کی تنہ ہو وہ "شجر" ہے اور ان کا سایہ ان کا سجدہ ہے۔" جو

سجدہ کرنے والے کی طرح زمین پر پھیلا ہوا ہے۔

درختوں کا سجدہ کرنا پودوں، بیلوں کا سجدہ تو ظاہر ہے کہ یہ زمین پر اسی طرح پھیلے ہوئے ہیں جیسے انسان بحالت "سجود" زمین پر ہاتھ، پاؤں، گھٹنے، ماتھا ٹیک دیتا ہے۔ تناور درختوں کی نسبت بھی محققین نے تصریح کی ہے کہ بعض درخت رات کو اسی طرح لیٹے رہتے ہیں جیسا کہ انسان رات کو سو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے درختوں کا سجدہ اصلی معنی میں ہوا۔

اہل سیر نے لکھا ہے کہ درختوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کیا تھا۔ ایک دفعہ آپؐ نے اشارہ فرمایا تو درخت اپنی جگہ سے نکل کر حاضر خدمت ہوئے۔ پھر واپسی کے حکم پر واپس ہوئے۔ علامہ بوصیریؒ فرماتے ہیں :ـــ

جاءت لدعوته الاشجار ساجدة تمشی الیه علی ساق بلا قدم

کانّما سطرت سطراً لما کتبت فروعها من بدیع الخطّ فی اللقم

۲۔ درخت جب بارآور ہوتے اور ثمرہ سے لد جاتے ہیں تو اون کی شاخیں زمین پر جھک پڑتی ہیں۔ درختوں کے سجدے کی یہ دوسری صورت ہے سعدیؒ فرماتے ہیں :ـــ ع نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں ـــ

۳۔ ابورزینؓ کی روایت جو اوپر گزری کہ ظلّہما سجودھما۔ درختوں کا سایہ جو زمین پر پڑتا ہے یہی اون کا سجدہ ہے۔" درختوں کے سجدے کی یہ تیسری صورت ہے۔

۴۔ نباتات کا بھی ایک نظام ہے جو اللہ سبحانہ نے قائم فرمایا ہے۔ نہ نظام بدلتا ہے اور نہ نباتات اوس سے سرمو تجاوز کر سکتے ہیں۔ اسی کے تحت ضعیف البنیان انسان عالم نباتات پر حکمرانی کرتا ہے اور بڑے بڑے تناور درختوں کو کاٹتا، چیرتا، اون کے ٹکڑے اڑا دیتا ہے۔ جلا کر خاکستر بنا دیتا ہے مگر نباتات ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے امر تسخیر کے آگے سر بسجود ہیں۔

ان جملہ اعتبارات کا لحاظ کرتے اللہ سبحانہ کا ارشاد والنجم والشجر یسجدان بجائے خود ہے۔ اس کے سمجھنے میں کچھ بھی دشواری نہیں ہے۔ اس سے انسان کو یہ سبق لینا چاہیے کہ نباتات تک جب اللہ سبحانہ کے آگے سربسجود ہیں تو انسان کو نباتات سے پیچھے تو کسی حال میں نہ رہنا چاہیے۔ ورنہ اشرف المخلوقات کے لئے ننگ و عار کی صورت ہوگی۔

وَالسَّمَاۤءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ ۙ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ۝ 55-7
55-8

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝ اور آسمان کو 55-9

بلند کیا اور رکھی ترازو کہ بڑھا کر نہ لو تول میں، اور سیدھا رکھو تول کو انصاف سے اور نہ گھٹا کر دو تول کو۔"

میزان کی تفسیر علویات کے سلسلے میں آسمان کا بیان ہوا کہ دیکھو کیسا بلند ہے (اور اس کے مقابل زمین کی پستی کا بیان آگے آرہا ہے) ان دونوں کے درمیان، میزان عدل قائم ہے۔ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر چنانچہ عام دستور یہی ہے کہ تولنے اور وزن کرنے کے موقع پر ترازو کو معلق رکھا جاتا ہے۔ ترازو کے دو پلڑے ہوتے ہیں۔ ایک میں تولنے کے باٹ رکھے رہتے ہیں اور دوسرے میں تولنے کی جنس رکھی جاتی ہے۔ یہ دونوں پلڑے ایک ڈنڈی کے دو کناروں سے بندھے ہوتے ہیں۔ ڈنڈی کے بیچوں بیچ "لسان المیزان" ہوتی ہے جس کو تولنے والا اپنے ہاتھ میں تھامے رہتا ہے اس کے بعد ترازو کو اٹھا کر دیکھ لیا جاتا ہے، اگر ڈنڈی سیدھی رہے تو یہ علامت ہے کہ تول برابر ہے اور اگر کسی طرف جھکی ہوئی ہو تو فوراً کمی زیادتی معلوم ہو جاتی ہے۔

قیامِ عدل کی ضرورت اس طرح ترازو قائم کرنا، ناپ تول کا طریقہ سکھانا، اور اس کی کمی زیادتی کو اس طرح واضح کر دینا، اور ہر ایک کے حق کی

حفاظت کرتا، غور کرو کہ یہ اللہ سبحانہ کی کیسی گراں قدر نعمتیں ہیں۔ قتادہؒ کہتے ہیں:۔ اعدل یا ابن آدم کما تحب ان یعدل علیك واوف کما تحب ان یوفی لك فان العدل یصلح الناس۔ (ابن جریر، ابن المنذر) ابن آدم! عدل کیا کر اور اوس پر قائم رہ جس طرح تجھے پسند ہے کہ تیرے مقابلے میں عدل کا برتاؤ ہو۔ اور پورا پورا تول کر دیا کر جیسا تجھے پسند ہے کہ تجھے بھی پورا پورا تول کر دیا جائے۔ کیوں کہ عدل ہی لوگوں کو ٹھیک حالت پر قائم رکھتا ہے"

اصلاح نیت سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں:۔ الاقامۃ بالید والقسط بالقلب۔ یعنی ارشاد باری تعالیٰ اقیموا الوزن بالقسط میں اقیموا سے مراد، ترازو کو ہاتھ میں سیدھی رکھنا ہے کہ اوس کی ڈنڈی اِدھر اُدھر نیچے اوپر نہ ہونے پائے اور بالقسط کا تعلق قلب سے ہے یعنی دل میں بھی یہ خیال رہے کہ ناپ تول منصفانہ رکھیگا۔ کمی زیادتی نہ کریگا" کیوں کہ اصل انسان کا دل ہے۔ اگر دل کی اصلاح نہ ہو تو ہاتھ پاؤں کا عمل درست نہ ہوگا نیز یہ کہ یہاں کی میزان، میزان آخرت کا پیش خیمہ ہے۔ یہاں عمل کی جو صورت ہوگی اوسی کی جزا آخرت میں ملیگی۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:۔

چوں ترازوئے تو کج بود و دغا راست چوں جوئی ترازوئے جزا

حدیث شریف ہے:۔ بالعدل قامت السموات والارض۔
عدل ہی کی بدولت آسمان و زمین قائم ہیں۔ اگر زمین و آسمان کا توازن برخاست ہو جائے تو سارا انظام کائنات درہم برہم ہو جائے۔ یہی سبب ہے کہ ان آیات کریمہ میں "وزن اور میزان" کے الفاظ بار بار لائے گئے ہیں تاکہ قیام عدل کی تاکید اکید ہو۔ اور ہر مستحق کو اوس کا حق پہنچانے کی اہمیت معلوم ہوجائے۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ 55-10
الْاَكْمَامِ ۝ [1] وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ [2] وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ [3] 55-11
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ اور زمین کو بچھایا مخلوق (جن و انس) کے لئے 55-1
55-1

[1] الکم مدخل الید و مخرجہا من الثوب ج اکمام و کِمَمَۃ والکِمّ وعاء الطلع والغلاف الذی ینشق عن الثمر ویحیط بہ سمی کِمًّا لانہ یستر ما تحتہ ج اکمۃ واکمام وکمام واکامیم (محیط المحیط) کپڑے میں جہاں سے ہاتھ ڈالتے اور نکالتے ہیں یعنی آستین اوس کو کُم کہتے ہیں اس کی جمع اکمام و کِمَمَۃ آتی ہے۔

اوس میں میوہ ہے اور کھجوریں غلاف والی، اور اوس میں اناج ہے بھوسہ والا

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

اور خوشہ کی تھیلی اور غلاف جس کو شق کر کے ثمرہ برآمد ہوتا ہے اوس کو کِمّ کہتے ہیں جو ثمرے پر محیط رہتا ہے چونکہ یہ ثمرے کو چھپائے رکھتا ہے اس لئے اوس کو کِمّ کہتے ہیں اس کی جمع اَکِمَّۃ، اَکمَام، کِمَام، اکامیم آتی ہے "

۲ه ورق کل شیئ عصف یخرج منه الحبّ یبد واوّلا ورقاً ثم یکون سوقاً ثم یحدث الله فیه اکماماً ثم یحدث فی الاکمام الحبّ ۔ (محیط المحیط) ہر چیز کا پتہ، عصف کہلاتا ہے جس سے دانے نکلتے ہیں۔ (سلسلہ یوں ہے :۔) پہلے پتہ نکلتا ہے پھر ساق بنتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اوس میں غلاف پیدا کرتا ہے پھر غلاف میں دانے پیدا ہوتے ہیں "

۳ه الریحان نبات طیّب الرائحة او کلّ نبات کذلك او اطرافه او ورقه وقد غلب عند العامّة علی الاس ج ریاحین ۔ والریحان ایضاً الولد والمعیشة والرزق (محیط المحیط) "ریحان" ایک خوشبودار پودا ہے جس کو سبزہ کہتے ہیں۔ نیز ہر خوشبودار نبات، یا اوس کے کناروں اور پتوں کو بھی "ریحان" کہتے ہیں عامۃ الناس سبزہ کو "ریحان" کہتے ہیں۔ اس کے معنی پھول کے بھی ہیں اور اولاد، معیشت اور رزق کو بھی ریحان کہتے ہیں " فقیر عرض کرتا ہے کہ یہاں ریحان سے پھول ہی مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور خوشبودار پھول ہیں۔ پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں تم دونوں جھٹلاؤ گے۔"

"انام" کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:۔

۱۔ انام' سے تمام لوگ مراد ہیں۔" (فریابی' ابن ابی حاتم عن ابن عباس رض)

۲۔ انام سے مخلوق مراد ہے۔" (ابن جریر' ابن المنذر' ابن ابی حاتم عنہ)۔

۳۔ کل شیئ فیہ روح (ابن جریر عنہ) ہر چیز جس میں جان ہے۔"

۴۔ کل شیئ یدبّ علی الارض (ابن المنذر عن الضحاک) ہر ایک چیز جو زمین پر چلتی ہے۔"

۵۔ الجنّ والانس۔ (ابن جریر ابن المنذر عن الحسن رض) انام سے جن انس مراد ہیں۔"

فقیر عرض کرتا ہے کہ از روئے لغت انام کے وہ سب معانی ہیں جو حضرت ابن عباس رض اور ضحاک کی روایات میں مذکور ہوئے اور ظاہر ہے کہ یہ سب زمین پر رہتے بستے اور اوس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں مگر یہاں حسب روایت حسن بصری رح جن وانس مراد ہیں۔ کیوں کہ اس سورت مبارکہ میں شروع سے آخر تک ان ہی دو گروہ سے خطاب ہو رہا ہے۔ دوسری مخلوقات ضمنی ہیں۔ واللہ اعلم۔

طلبۂ دینیات سے خطاب | اس روایت کی رو سے اضمار قبل الذکر کی

بحث بھی یہاں پیدا نہیں ہوسکتی جس کو بعض مفسرین نے یہاں چھیڑکر اوس کے دفعیہ کی کوشش کی ہے۔ جب انام سے جن وانس مراد ہیں تو ان سے فبای آلاء ربکما تکذبان کا خطاب درست ہوا۔ اب کسی تاویل و توجیہ کی حاجت نہیں رہی۔

نظام سفلیات یہاں سے نظام سفلیات کا بیان ہو رہا ہے کہ اوسی رحمٰن نے زمین کا فرش بنایا جس پر عالم سفلی کی کائنات رہتی بستی، چلتی پھرتی، اپنے تمام کام کاج کرتی اور اپنی جملہ ضروریات کی تکمیل اپنی پیدائش سے لیکر وفات تک کرتی رہتی، اور بعد وفات بھی اوس میں آرام کرتی ہے اور حشر میں وہیں سے دوبارہ زندہ ہوکر برآمد ہوگی۔ اس کا نظام بھی ایسے مستحکم طریق پر ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہی رحمت نظر آتی ہے۔

نباتات نباتات پر نظر ڈالو جو زمین سے اُگتے ہیں۔ قرآن کریم کا نزول چوں کہ ارض مقدس حجاز میں ہوا اس لئے وہاں کی سب سے بڑی نعمت کھجوروں کا بیان مقدم لایا گیا کہ کھجوریں پیدا ہوتی ہیں تو اون کی ٹوپی اور غلاف ہوتا ہے کیسی حفاظت کی گئی ہے کہ اس سے بہتر

اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ کھجوریں میوہ بھی ہیں اور انسانوں کی غذا بھی اون کی گٹھلیاں وہاں مخصوص جانوروں (اونٹوں) کی غذا ہیں۔ کھجوروں کے اتنے اقسام ہیں کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ مشہور ہے کہ صرف مدینہ پاک میں ایک سو ایک قسم کی کھجوریں ہوتی ہیں۔ جو حجم، ذائقہ، نفاست، اور اپنے مخصوص افعال و خواص کے لحاظ سے ممتاز ہیں: ؎

نخل بستان مدینہ ز تو سر سبز مدام زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی
مرحبا سید مکی مدنی العربی دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

مطعومات اناج اور غلے جو کھائے جاتے ہیں اس کا بھی ایک مستقل نظام ہے۔ ان پر بھس ہوتا ہے اور یہی بھوسہ جانوروں کی خوراک ہے۔ انسانی غذا اور جانوروں کی خوراک کا کیسا باقاعدہ انتظام ہے۔ پالتو جانور چوں کہ انسانوں کی خدمت میں رہتے ہیں اون کی خوراک کا اہتمام بھی انسانی غذا کے ساتھ کیا گیا کہ اوس کے لئے علیحدہ اہتمام کی حاجت نہیں۔ انسان اپنی غذا کے لئے کوشش کرے اوسی کے ضمن میں جانوروں کی خوراک بھی مہیا ہو جائے گی۔

مشمومات انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اوس کی نفاست، پاکیزگی

طہارت، ستھرائی مقتضی تھی کہ اوس کی حاجت خوراک ہی کی حد تک محدود نہ رہے۔ وہ دماغی کام کرتا ہے۔ غور و فکر میں حصہ لیتا ہے۔ حواس ظاہری سننے، دیکھنے، سونگھنے، چکھنے، اور چھونے کے علاوہ، حواس باطنی، خیال، حس مشترک، فہم و ادراک، حافظہ، اور عقل کے زیور سے بھی وہ آراستہ ہے، محسوسات سے معقولات کی دریافت کرتا ہے تو ضرورت تھی کہ قوائے باطنی کی نشو و نما، بالیدگی اور ترقی کے لئے ایسی خوشبودار چیزیں بھی ہوں جن کے استعمال سے اوس کے علم و فہم اور تجربہ کی ترقی ہوتی رہے اس لئے پھول، ریحان، مشک، عنبر، کافور، بخور، عطریات کا سامان کیا گیا۔ جس کی بدولت انسان اپنے قیام و بقا کے ساتھ ہر جہتی ترقی میں لگا رہے۔ یہ تمام سامان مہیا کر کے سوال ہو رہا ہے :

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔	تفسیر فبای آلاء ربکما تکذبان

(اے گروہ جن و انس! جب یہ نظام علوی و فضائی و سفلی جس میں یہ سب کچھ سامان تمہارے رہنے بسنے، کھانے پینے، امن و چین کا ہے یہاں تک کہ سونگھنے اور ہر طرح کے آرام و آسائش کا انتظام بھی رحمٰن نے اپنی رحمت کاملہ سے فرما دیا ہے) تو پھر اپنے پروردگار کی کن کن

نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

تکرار آیات اور مفسرین کی تصریحات قرآن کریم میں بعض آیات کا ایک ہی سورت میں کئی کئی دفعہ اعادہ ہوا ہے۔ مثلاً سورۂ قمر میں جو ابھی ابھی گزرا آیۂ کریمہ ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر چار دفعہ آئی ہے اور اس سے پیشتر سورۂ شعراء میں آیۂ کریمہ اِنّ فی ذلک لآیۃ وما کان اکثرھم مومنین وانّ ربّک لھوا لعزیز الرحیم۔ آٹھ دفعہ آچکی ہے۔ اور والمرسلات میں آیۂ کریمہ "ویل یومئذ للمکذبین"۔ دس دفعہ مذکور ہے۔ اور سورۃ الرحمٰن عروس القرآن میں "فبای آلاء ربکما تکذبان کا اعادہ و تکرار اکتیس ۳۱ دفعہ ہے۔ اس کی نسبت مفسرین کرام کے آراء حسب ذیل ہیں:۔

قاضی بیضاویؒ ۱۔ قاضی بیضاویؒ آیہ ولقد یسرنا القرآن کی نسبت فرماتے ہیں:۔ کرّر ذلک فی کل قصّۃ اشعارا باںّ تکذیب کلّ رسول مقتض لنزول العذاب واستماع کلّ قصّۃ مستدع للادّکار والاتّعاظ واستینافا للتنبیہ والاستیقاظ لئلّا یغلب علیھم السھو والغفلۃ وھکذا تکریر قولہ فبایّ آلاء ربّکما تکذبان وویل

یومئذ للمکذّبین ونحوھما۔ ہر قصہ کے بعد اس آیہ کریمہ کی تکرار اس لئے ہے کہ ہر پیغمبر کی تکذیب، نزول عذاب کی مقتضی ہے اور ہر واقعہ پر کان دھرنا، اوس کو یاد رکھنے اور اوس سے نصیحت لینے کو چاہتا ہے اور جدا گانہ تنبیہ کے ذریعہ بیدار کرنا مقصود ہے تاکہ سننے والوں پر سہو و غفلت کا غلبہ نہ ہونے پائے۔ یہی حال آیہ فبای آلاء ربکما تکذبان اور ویل یومئذ للمکذبین وغیرہ کی تکرار کا ہے۔"

سلیمان الجملؒ ۲۔ علامہ سلیمان الجملؒ فرماتے ہیں:۔ ان تکریرہ فی کل جملۃ قبلھا من نعمۃ صریحۃ اوضمنیۃ فکرّر للتنبیہ والایقاظ ۔ آیہ فبایّ آلاء کی تکرار اس بنا پر ہے کہ اوس سے پہلی آیت یا آیات میں کوئی نہ کوئی صریح یا ضمنی نعمت کا بیان ہے لہذا اوس پر تنبیہ کرنے اور سامع کے ذہن کو چونکانے کے لئے اس آیہ کا اعادہ ہوا ہے۔"

علم الہدیٰؒ ۳۔ علم الہدیٰؒ فرماتے ہیں:۔ التکریر فی سورۃ الرحمٰن انّما حسن لاجل التقریر بالنعم المختلفۃ المعدودۃ فکلما ذکر نعمۃ انعم بھا وبخ علی التکذیب بھا کما یقول الرجل لغیرہ الم احسن الیک بالاموال الم احسن الیک بکذا وکذا فیحسن التکریر

لاختلاف ما يقرر به ۔ سورۂ رحمٰن میں تکرار اس لئے مستحسن ہے کہ
مختلف نعمتوں کا شمار کر کے اون کو ثابت کیا گیا ہے پھر جہاں کسی نعمت کا
ذکر ہوا اوس کی تکذیب یا ناقدری کی بنا پر توبیخ کی گئی جیسے ایک شخص
دوسرے سے کہتا ہے کیا میں نے مال ومتاع دیکر تجھ پر احسان نہیں کیا
کیا ایسا احسان تیرے ساتھ نہ کیا، کیا ایسا نہ کیا؟ لہٰذا ایک ایک تکریر
ایک ایک نعمت کی تقریر ہے ۔ یہ مستحسن امر ہے "

برہان القرآن | ۴ ۔ برہان القرآن میں ہے :۔ تکررت الآیة
احدی وثلاثین مرة ثمان منها ذکرها عقیب آیات فیها
تعداد عجائب خلق الله وبدائع صنعه ومبدء الخلق ومعادهم
ثم سبع منها عقیب آیات فیها ذکر النار وشدائدها علی
عدد ابواب جهنّم وحسن ذکر الآلاء عقیبها لان فی خوفها ودفعها
نعما توازی النعم المذکورة او لانها حلت بالاعداء وذلك يعد
من اکبر النعماء وبعد هذه السبع ثمان فی وصف الجنات واهلها
علی عدد ابواب الجنة وثمان اُخری بعدها للجنتین اللتین دونهما
فمن اعتقد الثمانی الاولی وعمل بموجبها استحق کلتا الثمانیتین

من اللہ ووفاہ اللہ السبع السابقۃ ۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ فبأی آلاءِ ربکما تکذبان کی تکرار (۳۱) دفعہ عمل میں آئی جن میں سے (۸) آٹھ دفعہ کی تکرار عجائب قدرت، اور مبدأ و معاد کے بعد ہوئی ہے پھر اون میں سے (۷) سات دفعہ دوزخ اور اوس کی ہولناکیوں کے بعد ہوئی ہے ۔ یہ تعداد ابواب دوزخ جو سات ہیں اوس کے مطابق ہے ۔ اس کے بعد (۸) آٹھ دفعہ جنت اور اہل جنت کے بیان کے بعد اوس کا اعادہ فرمایا گیا ہے اور یہ عدد ابواب جنت کی تعداد کے عین مطابق ہے ۔ اس کے بعد مزید (۸) دفعہ کی تکرار اون جنتوں کے بعد ہوئی ہے جو سابقہ جنتوں کے سوا ہیں ۔ لہٰذا جس نے ابواب جنت کا اعتقاد رکھا اور اس کے بموجب عمل کیا تو دوسرے آٹھ ابواب جنت سے داخل ہونے کا مستحق ٹھہرا ۔ اور دوزخ کے ساتوں ابواب سے محفوظ ہوا ۔ گویا ابواب دوزخ، تمام کے تمام اوس پر مسدود ہوئے ۔ اور کل ابواب جنت اوس پر مفتوح ہوئے ۔ اس کے علاوہ اور آٹھ ابواب جنت اوس کے ہاتھ آئے ۔ ذلک فضل اللہ ۔

آیہ فبای آلاء میں تکرار نہیں ہے	مفسرین کرام کی یہ تصریحات

17. رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ

بلاشبہہ قایل قدر ہیں کہ آیۂ کریمہ فبأیّ آلاء ربکما تکذبان کا اعادہ (۳۱) دفعہ ہونے کے باوجود بھی اس میں تکرار نہیں۔ ہر موقع کے لحاظ سے ایک جداگانہ مفہوم یہ آیۂ کریمہ پیش کر رہی ہے جس سے قاری تازہ طریقہ پر اگر لطف قرائت حاصل کرتا ہے تو سامع کو بھی ہر اعادہ پر تازہ لطف سماعت حاصل ہوتا ہے۔ اور جن حضرات کی نظر معانی و مطالب پر ہے اون کا کیا پوچھنا کہ ہر ہر نوبت پر ایک جدید ربط و تعلق ماقبل و مابعد کی بدولت نئے انداز بیان اور نئے طرز غور و فکر کی دعوت دی جارہی ہے۔ اور بحیثیت مجموعی ایسا موزوں، دلچسپ سماں پیدا ہو رہا ہے جو قلب و دماغ کو منور کرتا، حواس ظاہری اور مشاعر باطنی کو جلا دیتا، اور روح انسانی پر علوم و عرفان کے دروازے کھولتا، اور ہر کہ ومہ کو وجد میں لاتا ہے۔

جماعت جنّ کا جواب

یہی سبب ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کی جماعت میں ایک دفعہ اس سورت کریمہ کی تلاوت کے بعد ارشاد فرمایا:۔ مالی اسمع الجن احسن جوابا لہا منکم قالوا وماذا یارسول اللہ قال ما اتیت علی قول اللہ فبای آلاء ربکما تکذبان الا قالت الجن لابشئ من نعمة

ربنا نکذب۔ (ابن جریر عن ابن عمرؓ) کیا بات ہے کہ قوم جنّ کو تمہارے مقابلے میں اپنے پروردگار تعالیٰ کا بہترین جواب دینے والی قوم پاتا ہوں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیسے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس سورت کو پڑھتے پڑھتے جب کبھی میں ارشاد باری تعالیٰ فبای الاء ربکما تکذبان پر پہنچتا جس میں یہ سوال ہو رہا ہے کہ اے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کی تکذیب کرو گے" تو تمام جنّ یک زبان ہو کر اس سوال کا ہر دفعہ یہ جواب دیتے تھے:۔ لا بشئ من نعمۃ ربنا نکذب۔ ہم اپنے پروردگار کی کسی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے" مطلب یہ کہ جس طرح اس سوال کا ہر دفعہ یہ جواب تمام جنّ دے رہے تھے ایسا ہی جواب ہر سوال پر انسان بھی دینا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ سوال تو سنتے جائیں اور جواب کی نوبت پر چپ چاپ خاموش رہیں۔

ابن عباسؓ کا عمل چنانچہ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ:۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب کبھی فبای آلاء ربکما تکذبان پڑھتے یا اس آیہ کریمہ کو کسی سے سنتے تو جواب میں یہ فرماتے:۔ لا بایھا یا رب۔ اے ہمارے پروردگار ہم کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے۔ نہ کریں گے"

آیۂ فبای آلاء کو سن کر جواب دینا مستحب ہے

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس آیۂ کریمہ کو سننے کے موقع پر سامع کو لا بشیٔ من نعمۃ ربنا نکذب یا لا بایھا یا رب کہنا مستحب ہے۔ بلکہ اس کے بعد فلک الحمد کا اضافہ بھی کرنا چاہئے جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ بات یہ ہے کہ اس طرح جواب دینے سے سامع بھی قاری کا شریک حال ہو جاتا ہے اور اس اشتراک عمل سے ایک خاص کیفیت سامع و قاری پر ہوتی ہے جو دوسروں کو بھی متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور بار بار اس سوال و جواب کا تبادلہ عجب اثر آفریں ہوتا ہے جی چاہتا ہے کہ قاری بار بار یہ سوال کرتا جائے اور سامع کی طرف سے اوس کا یہ جواب ادا ہوتا رہے اور لطف سوال و جواب ترقی پاتے پاتے وہ محویت تامہ پیدا ہو کہ ما سوی اللہ کا خیال دل سے جاتا رہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں :۔

باز گو از نجد و از یاران نجد تا در و دیوار را آری بوجد

اگر اس کی قراءت خارج نماز ہو تو بالاتفاق تمام ائمہ کرام کے مسالک کی رو سے سامع کا جواب بالجہر دیا جانا بھی جائز ہوگا۔ اور اگر یہ قراءت نماز میں ہو تو حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک بالسر یعنی آہستہ

دبی آواز سے جواب دینا چاہئے جیساکہ سورۂ فاتحہ کے ختم پر آمین

کہنے کا حکم ہے۔ واللہ اعلم۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ قرآن کریم کا نزول ایسے عہد میں ہوا جب کہ عرب میں فصاحت و بلاغت کا دور دورہ تھا۔ بچہ بچہ، پردہ نشیں عورت، بلکہ باندی غلام تک، خطابت اور شعر گوئی میں کمال رکھتے تھے کسی مجمع اور میلہ میں سو سو شعر کا قصیدہ فی البدیہہ سنا دینا اون کے لئے معمولی بات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اون کے کلام میں گوناگوں محسّنات وصناعات بھی پائے جاتے تھے جس سے لطف کلام دوبالا ہوتا تھا۔ قرآن کریم نازل ہونے لگا تو فصاحت و بلاغت کے وہ نمونے پیش کیے جو اپنی آپ نظیر تھے اور شان اعجاز رکھتے تھے۔ جس کے آگے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء کی گردنیں خم تھیں۔ از آں جملہ کلام عرب میں ایک صنعت وہ تھی جس کو "ترجیع" کہتے ہیں۔ یعنی ایک ہی مصرعہ یا بیت کا کسی کلام میں بار بار اعادہ کرنا۔ اگر کسی بیت کا اعادہ ہو تو اصطلاح شعراء میں اوس کو "ترجیع بند" کہتے ہیں۔ یہ صنعت شعرائے عرب و عجم دونوں میں مروج و مقبول ہے۔

ترجیع کی ایک مثال کلام عرب سے

چنانچہ کلام عرب سے اوس کا صرف ایک نمونہ بطور مثال پیش کیا جاتا ہے مزید مثالیں بخوف طوالت نظر انداز کی جاتی ہیں۔ یہ عربی شاعر مُہلہل نامی کا ایک مرثیہ ہے جو اپنے دوست کُلیب کی وفات پر لکھا تھا: ؎

علی ان لیس عدلا من کلیب　　اذا ما ضیم جیران المجیر
علی ان لیس عدلا من کلیب　　اذا رجف العضاہ من الدبور
علی ان لیس عدلا من کلیب　　اذا خرجت مخبأۃ الخدور
علی ان لیس عدلا من کلیب　　اذا ما اعلنت نجوی الامور
علی ان لیس عدلا من کلیب　　اذا خیف المخوف من الثغور
علی ان لیس عدلا من کلیب　　غداۃ تأثّل الامر الکبیر
علی ان لیس عدلا من کلیب　　اذا ما خار جاش المستجیر

ترجیع بند کلام عجم میں

شعرائے عجم میں بھی اس کی مثالیں آپ کے پیش نظر ہوں گی کہ کسی نے سعدیؒ کے قطعہ ذیل کا اعادہ کیا:۔

بلغ العلےٰ بکمالہ　　کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ　　صلوا علیہ وآلہ

اور کسی نے قدسیؒ کی اس بیت کو اپنے چند اشعار کے بعد بار بار پیش کیا :-

مرحبا سید مکی مدنی العربی ۔ دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

شعراء کے گلدستوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے اعادہ و تکرار سے کلام میں ایک لطف خاص پیدا ہوتا ہے ۔ ایسے نمونے اور مثالیں قرآن حکیم میں بھی متعدد جگہ موجود ہیں جن کی نشان دہی ہم نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر کے ابتدائی حصہ میں کی ہے لیکن اگر تتبع و تلاش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ بڑے سے بڑے شاعر کے کلام میں بھی ایسا اعادہ دس بارہ دفعہ سے زیادہ نہیں پایا جاتا۔ بلکہ دس بارہ دفعہ کی تکرار ہی میں کلام پھیکا، بے رونق ہوتا دکھائی دیگا اور یہ محسوس ہوگا کہ مضمون کی آمد ختم ہو رہی ہے اور آورد سے کام لیا جا رہا ہے جو تکلف سے خالی نہیں۔

ترجیع کلام پاک کی دل کشی قربان اس کلام پاک کے کہ اس ترجیع و اعادہ سے دل کشی اور دل آویزی بڑھتی ہی جاتی ہے نیز شعراء کے کلام میں مقررہ چار چھ دس بیس مصرعوں کے اندر اوس کا اعادہ ہو تو وہ رکیک اور بے مزہ ہو جاتا ہے ۔ لیکن یہاں ذوق و شوق اس درجہ

بڑھتا جارہا ہے کہ اس آیہ کریمہ کے اعادہ کا جو انداز، آغاز کلام میں تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب کے لئے اوس کی برقراری مشکل سے مشکل تر ہوتی جارہی تھی۔ اور سننے والوں کا صبر و شکیب اتنے انتظار کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے اوس اعادہ کے فصل کو کم کرتے کرتے ایک آیت بلکہ ایک کلمہ تک پہنچا دیا گیا۔ پھر بھی تکرار و اعادہ کا وہی لطف برقرار بلکہ اوس میں اضافہ اور ترقی ہی کار فرما ہے۔ پھر اوس کو ایک خاص انداز کے ساتھ بڑھاتے ہوئے بے مثال نمونہ پر ختم کیا گیا ہے۔ با ایں ہمہ مزید لطف یہ ہے کہ اس میں تکرار و اعادہ نہیں کیوں کہ فبای الاء ربکما تکذبان کے معنی ہر موقع و محل کے لحاظ سے جداگانہ ہیں۔ جس کی کسی قدر توضیح آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ شعراء کی ترجیع و اعادہ میں یہ بات نہیں۔

آلاء کے معنی آلاء کے معنی عام طور پر مفسرین کرام نے "نعمت" کے لکھے ہیں۔ ارباب لغت کی تصریحات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ نیز ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کی روایات جو اوپر گزریں وہ بھی اسی کی مؤید ہیں۔ اور اس کی کچھ تحقیق آیہ کریمہ فبای آلاء ربك تتماری کی تفسیر کے ضمن میں "سورۂ والنجم" میں بھی گزر چکی ہے لیکن امام ابن جریر طبریؒ

اپنی سند متصل سے روایت کرتے ہیں :۔ قال ابن زید فی قوله فبای
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَان ل الآلاء القدرۃ فبای الائه تکذب
خلقکم کذا وکذا فبای قدرۃ اللّٰہ تکذبان ایھا الثقلان الجن
والانس ۔ حضرت ابن زیدؒ نے فبای آلاء ربکما تکذبان کی تفسیر میں
فرمایا کہ آلاء سے " قدرت " مراد ہے ۔ یوں ارشاد ہو رہا ہے کہ اے
مخاطب ! تو خدا کی کس کس قدرت کی تکذیب کریگا ۔ تم کو اوس نے ایسا
بنایا ایسا پیدا کیا ۔ پھر اے گروہ جن وانس ! تم اللہ کی کس کس قدرت
کی تکذیب کروگے ؟ "

بہرحال الاء کے معنی نعمتوں کے بھی ہوسکتے ہیں اور قدرت بھی
اوس کے معنی ہیں ۔ اور ہر دو معنی بجائے خود صحیح ودرست ہیں ۔ اگر
نعمت کے معنی مراد لئے جائیں تو نعمت بالذات یا بالواسطہ مراد ہوگی ۔
اگر قدرت یا اوس کی نشانی وکرشمہ مراد ہو تو یہ معنی بھی بموجب روایت
مذکورہ درست ہوں گے ۔ اور یہ دونوں معنی سلف سے ماثور ومنقول
ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

تقریر بالا کا ماحصل ارشاد ہو رہا ہے کہ رحمٰن ہی کی ذات سے

جس نے قرآن کی تعلیم دی، انسان کو پیدا کیا، اوس کو بات کرنا سکھایا، سورج اور چاند کا حساب قائم کیا۔ تمام درخت تنہ والے اور بے تنہ (بنائے جو) اوسی رحمٰن کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ آسمان کو بلند کیا اور اوس کے نیچے ترازو قائم کی تاکہ ترازو کے تول میں سرکشی نہ کرو۔ وزن ٹھیک رکھو اور ترازو ٹیڑھی نہ رکھو۔ اور زمین کو جن وانس اور تمام مخلوقات کے لئے پست کیا۔ اوس میں ہر قسم کے میوے اور غلاف والی کھجوریں ہیں، نیز غلے بھس والے، اور خوشبو دار چیزیں ہیں۔ لہذا اے گروہ جن وانس! مذکورہ نعمتوں اور نشان ہائے قدرت میں سے (جن میں دلائل عقلیہ بھی ہیں اور دلائل نقلیہ بھی۔ دلائل آفاق بھی ہیں اور دلائل انفس بھی) تم کن کن دلائل کا انکار کروگے اور کن کن کو جھٹلاتے جاؤگے؟"

اس کا جواب یہی ہوگا کہ اے بیحد مہربان اور بے نہایت رحم والے! مذکورہ نعمتوں اور نشان ہائے قدرت میں سے ہم کسی نعمت ونشان قدرت کا انکار نہیں کرسکتے اور نہ کسی چیز کی تکذیب کرسکتے ہیں آپ ہی کی ذات تعریف والی ہے اور مستحق شکر :۔

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

۵۵ (۱۴-۱۶)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۲ ○ وَخَلَقَ الْجَآنَّ 55-
55-
مِنْ مَّارِجٍ ۳ مِّنْ نَّارٍ ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ بنایا انسان کو 55-

۱ صلصال فعلال من قولهم صلّ اللحم اذا انتن وتغيّرت ريحه كما قيل من صرّ الباب صرصر ومن كبّ كبكب (ابن جرير) صلصال بروزن فعلال عرب کے محاورہ صلّ اللحم سے ماخوذ ہے یہ اوس وقت کہتے ہیں جب گوشت میں بو پیدا ہو اور اوس میں تغیر آجائے۔ پھر صلّ کو صلصل بنا دیا گیا جیسا کہ صرّ الباب کو صرصر اور کبّ کو کبکب بنا دیا گیا۔"

۲ الفخّار وهو الخزف شبّه بيانا لغاية يبس طينته والتركيب يدل عليه ومنه الفخور ولولا يبس دماغه لم يفخر ومنه الفرخ لانه تنشق البيضة عنه وكل يابس عرضة للتشقق ومنه الخذف لغاية يبوسة مزاجه۔ (نیشاپوری) فخّار سفال (ٹھیکرے) کو کہتے ہیں اس کی تشبیہ مٹی کے حد درجہ خشک ہونے کی بنا پر دی گئی ہے جس پر اس لفظ کی ترکیب نے دلالت کرتی ہے۔ فخور بھی اسی سے بنا ہے جس کے معنی ہیں فخر جتانے والا اترا والا۔ اگر اوس کے دماغ میں خشکی نہ ہوتی تو وہ کبھی فخر نہ جتاتا۔ اسی طرح انڈے سے

مٹی سے جو پختہ سفال کی طرح کھنکھناتی ہے، اور بنایا جن کو آگ کے رنگ برنگ شعلہ سے۔ لہٰذا اے گروہ انس وجن! تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں اور قدرتوں کی تکذیب کروگے؟ یعنی کیا اس نعمت و قدرت کو بھی جھٹلائے جاؤگے؟"

انسانی آفرینش کی نسبت تعبیرات قرآنیہ کی تطبیق	انسان کی آفرینش اور اوس کی تکوین سے متعلق قرآن کریم میں جو مختلف

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گذشتہ)

چوزہ جو نکلتا ہے اوس کو فرخ کہتے ہیں (یعنی اس میں بھی وہی تین حرف ہیں ف۔ ر۔ خ اگرچہ اس کی ترتیب کچھ بدلی ہوئی ہے) کیونکہ انڈے کی اندرونی رطوبت خشک ہونے کے بعد اوس کا پوست شق ہو جاتا اور چوزہ اوس میں سے نکلتا ہے۔ اسی طرح ہر خشک چیز پارہ پارہ ہونیکے قابل ہو جاتی ہے۔ سفال کو بھی اوسکی خشکی کی بنا پر فخار کہتے ہیں۔"

۳ لمارج اللهب الصافی الذی لادخان فیه من مرج اذا اضطرب و لعلها المخلوطة بسواد النار من مرج الشئ اذا اختلط۔ (نیشاپوری)

صاف شعلہ جس میں دھواں نہ ہو اوس کو مارج کہتے ہیں جب کہ وہ حرکت کرتا ہو۔ نیز ہو سکتا ہے کہ آگ کی سیاہی میں مخلوط ہونے کی بنا پر اس کو مارج کہا گیا ہو کیونکہ کوئی چیز کسی میں مخلوط ہو جاتی ہے تو مرج الشئ کہتے ہیں۔"

محل کے لحاظ سے تعبیرات مختلف وارد ہوئی ہیں ۔ من تراب، من صلصال، من طین، من طین لازب، من حمأ مسنون، من ماء مھین، من ماء دافق، من نطفۃ، من نطفۃ امشاج وغیرہ وغیرہ اس میں تضاد نہیں ۔ ہر تعبیر ایک حقیقت اور واقعہ نفس الامری کا بیان ہے ۔ ابتداءً خاک کا بورہ تھا ۔ پانی میں بھیگنے کے بعد اوس کو ہوا دی گئی تو صلصال (کھنکھنانے والی مٹی) ہوئی ۔ پھر اوس کو تر کیا گیا گوندھا گیا تو طین کہلائی ۔ گوندھنے سے وہ لیس دار ہوئی تو لازب ہوئی ۔ اوس کو آگ پر رکھا گیا تو حمأ مسنون گرم خمیر کی ہوئی بنی ۔ یہ سلسلہ تخلیق ابوالبشر آدمؑ اور اون کی صورت گری کا تھا ۔ آدمؑ سے اون کی ذریت پھیلی تو ماء و نطفہ کی صورت ہوئی ۔ اب اوس پانی اور نطفہ کے تطورات اور ارتقائی مدارج ہیں ۔ اس طرح انسان کی تخلیق کا بیان اوس کی جس حقیقت سے بھی شروع کیا جائے درست ہے ۔

تخلیق جن اسی طرح دوسری مخلوق، یعنی جنّ کی آفرینش اور اونکی تکوین ہے کہ اون کی ابتداء آگ کے شعلہ سے ہوئی جس میں دھواں

نہ ہو۔ یہ شعلہ سُرخ۔ سبز۔ زرد۔ نیلگوں۔ سیاہ۔ سفید اور ان کے درمیانی الوان لئے ہوئے رنگ برنگ کا ہوتا ہے۔ یہ تخلیق ابوالجان (ابلیس) کی تھی۔ اوس سے ذریت ابلیس کا توالد و تناسل ہے۔

تخلیق جن وانس میں دعوت غور وفکر

یہ سب انس وجن کی ابتدائی صورتیں تھیں یا ایسی بے جان چیزوں کو جان دار ہوش و حواس والا، چلنے، کھانے پینے، پھرنے، بولنے چالنے، سمجھنے بوجھنے والا غور وفکر والا بنایا گیا تو یہ کیسی نعمتیں ہیں کیا کیا سرفرازیاں ہیں؟ کوئی ذی ہوش اس کو فراموش کرسکتا ہے یا انکار کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مگر حیرت ہے کہ کافر، دل و زبان دونوں سے اس کے منکر ہیں اور منافق، زبان سے تو نہیں مگر دل سے منکر ہیں اس لئے سوال ہو رہا ہے فبأی آلاء ربکما تکذبان تم اپنے پروردگار کی ان نعمتوں اور ہمیشاں قدرتوں کا انکار تو نہ کروگے؟ جواب یہی ہے۔ لا بایتھا یا رب۔ پروردگار! ان میں سے ہم کسی ایک نعمت کے بھی منکر نہیں۔ سب تعریف آپ ہی کے شایاں ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝

(وہ رحمٰن) دونوں مشرقوں کا تربیت کرنے والا بھی ہے اور دونوں

مغربوں کا تربیت کنندہ بھی ہے پھر اے گروہ انس وجن! تم اپنے

تربیت کنندہ پروردگار کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟"

رب المشرقین ورب المغربین کی تفسیر و توجیہ

ابن زیدؒ فرماتے ہیں:— اقصر مشرق فی السنة واطول مشرق فی السنة واقصر مغرب فی السنة واطول مغرب فی السنة

(ابن جریر) سال تمام میں چھوٹے سے چھوٹے دن کے طلوع آفتاب کی جگہ اور بڑے سے بڑے دن میں طلوع آفتاب کی جگہ (یہ دو مشرق ہوئے اسی طرح) سال تمام میں سب سے چھوٹے دن کے غروب کی جگہ اور سب سے بڑے دن میں غروب کی جگہ (یہ دو مغرب ہوئے)۔

ابن ابزیؒ کہتے ہیں:— مشرقان تجری فیهما الشمس ستون وثلاثه مائة فی ستین وثلاث مائة برج لكل برج مطلع لا تطلع يومين من مكان واحد وفی المغرب ستون وثلاث مائة برج لكل برج مغيب لا تغيب يومين فی برج۔ (ابن جریر)

دو مشرق (جاڑوں اور گرمیوں کے) جن میں آفتاب (کا طلوع اور

اس) کی نور پاشی تین سو ساٹھ (دن تک) تین سو ساٹھ برجوں سے
جاری رہتی ہے، ایک برج سے دو دن کبھی طلوع نہیں ہوتا (ایسا ہی)
مغرب میں بھی تین سو ساٹھ برج ہیں روزانہ ایک برج میں غروب
ہوتا ہے ایک برج میں دو دن کبھی غروب نہیں ہوتا۔" اس اعتبار سے
طلوع و غروب کا ابتدائی اور انتہائی ہر ایک نقطہ مل کر دو مشرق اور
دو مغرب ہوئے۔ ان مشرقین اور مغربین کے درمیان جس قدر کائنات
ہے اون سب کی تدبیر ایک مستقل نعمت ہوئی۔ پھر ان تمام چیزوں کی
تسخیر جن وانس کے لئے یہ بھی ایک جداگانہ نعمت ہوئی اسی لئے
گویا یوں ارشاد ہو رہا ہے:- فبای نعم ربکما معشر الجن
والانس من ہذہ النعم التی انعم بہا علیکم من تسخیرہ
الشمس لکم فی ہذین المشرقین والمغربین تجری لکما
دائبۃ بمرافقکما ومصالح دنیاکما ومعایشکما تکذبان
(ابن جریر عن ابن زید) اے گروہ جن وانس! تمہارے پروردگار نے
آفتاب کو تمہارا مسخر کرکے، اوس کو ان مشرقین ومغربین میں ہمیشہ
کے لئے رواں رکھ کے تمہارے منافع ومصالح اور معیشت کے جو

۵۵ (رحمن) ۱۹ تا ۲۱

سامان کیے ہیں اون میں سے کس کس کی تکذیب کروگے؟ بتاؤ کہ یہ تمام انتظامات ہم نے کیے یا نہیں پھر ہم کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے؟

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ٥ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ٥ فَبِاَيِّ 55-
اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ٥ ملادئے دو سمندر کہ ایک دوسرے سے 55-2
55-2
لگے ہوئے ہیں، اون دونوں کے درمیان ایک پردہ اور اوٹ ہے جس کے باعث ایک دوسرے پر چڑھائی نہیں کرسکتے۔ پھر اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو تم جھٹلائے جاؤ گے؟

مرج البحرین کی تفسیر دو سمندر سے بحر روم و بحر فارس مراد ہوں، جو زمین پر ہیں۔ یا زمین کا پانی اور آسمان کا پانی مراد ہو جو بجائے خود ہر ایک جداگانہ سمندر ہے۔ کیوں کہ زمین سے بخارات چڑھ کر ابر کی شکل اختیار کرتے ہیں اور اوس میں پانی بھرا ہوتا ہے یا آسمان سے پانی برستا ہوا زمین پر گرتا ہے۔ اللہ سبحانہ نے ہر ایک کی ایک حد اور مقدار مقرر فرمادی ہے اوس کی بتائی ہوئی حد سے کوئی بھی سرمو تجاوز نہیں کرسکتا۔ زمین پر جو سمندر ہیں یہ بھی کئی جگہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ ان میں ایک شیریں ہوتا ہے دوسرا کھاری۔ لیکن اللہ سبحانہ کی قدرت ہے کہ

دو سمندر ملے ہوئے رہنے پر بھی مخلوط نہیں ہو جاتے۔ شیریں اپنی جگہ اور شور اپنی جگہ۔ قدرتی پردہ دونوں میں حائل ہے جو ایک دوسرے پر چڑھ آنے سے مانع ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر ایک کے جو مختصہ منافع ہیں وہ اپنی جگہ قائم ہیں۔ کیا کوئی اس کا بھی منکر ہو سکتا ہے؟ اور کیا کوئی مدعی بن سکتا ہے کہ یہ حائل ہونے والا پردہ اللہ سبحانہ کا بنایا ہوا نہیں کسی اور کا ہے؟ ہرگز نہیں۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا 55-22

تُكَذِّبَانِ ۝ نکلتے ہیں اون دونوں (سمندروں) سے موتی اور مونگے 55-23

لہٰذا تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

(ع ۱۰ رکوع ۲۱) ۳۲۶

لؤلؤ اور مرجان کی تفسیر "لؤلؤ" (موتی) کی نسبت حضرت ابن عباس کی روایت ہے:- اذا امطرت السماء فتحت الاصداف فی البحر افواھھا فما وقع فیھا من قطر السماء فھو اللؤلؤ۔ (ابن ابی الدنیا، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) جب آسمان سے پانی برستا ہے تو سمندر میں سیپیاں منہ کھولی رہتی ہیں۔ اون میں جو قطرے گرتے ہیں اون سے موتی بنتے ہیں۔" اس کی تائید میں اور بھی روایات ہیں۔

اور عام طور پر مشہور بھی یہی ہے۔ نیز یہ کہ موتی صرف ابر نیساں کے برسنے کے وقت بنتے ہیں۔ خریدۃ العجائب میں ہے :۔ اللؤلؤ یتکون فی بحر الھند و فارس۔ موتی بحر ہند میں (عدن کے پاس) اور بحر فارس میں پیدا ہوتے ہیں۔" اسی وجہ سے دُرِّ عدن مشہور ہے۔

"مُرجان" کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ کسی میں چھوٹے موتیوں کو "مرجان" بتلایا گیا ہے اور کسی میں بڑے موتیوں کو۔ لیکن خریدۃ العجائب میں ہے :۔ والمرجان ینبت فی البحر کالشجر واذا کلس المرجان عقد الزئبق فمنه ابیض ومنه احمر ومنه اسود وھو یقوی البصر کحلا و ینشف رطوبۃ العین۔ "مرجان" سمندر میں درخت کی طرح اُگتا ہے اور جب وہ گل جاتا ہے تو سیماب (پارہ) بنتا ہے۔ پارہ سفید ہوتا اور سرخ و سیاہ بھی۔ سیاہ کا سرمہ مقوی بصر ہے اور آنکھ کی رطوبت اس سے خشک ہو جاتی ہے۔" نیز مرجان کے متعلق لکھا ہے :۔ الخرز الاحمر المشھور سرخ رنگ کے منکے جو مشہور ہیں۔" یعنی جس کو مُونگا کہتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت بھی اس کی مؤید ہے۔" ھو عروق حمر تطلع من البحر

کاصابع الکف (محیط المحیط) وہ سرخ کاڑیاں ہیں جو سمندر سے نکلتی ہیں ہاتھ کی انگلیوں کی مانند" اور یہی مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔
خدا کی قدرت کہ ایک سمندر شیریں دوسرا کھاری مگر موتی مونگے دونوں سے نکلتے ہیں۔ جیساکہ دونوں میں مچھلی پیدا ہوتی ہے اور عام طور پر اوس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ شیریں اور کھاری سمندر کی مچھلیوں کا گوشت، مساوی طور پر استعمال میں آتا ہے۔ دونوں کی قدر و قیمت یکساں ہے۔ اون کے ذائقہ میں کچھ بھی فرق نہیں۔ مگر موتی کے متعلق بعض کی تحقیق یہ ہے کہ وہ صرف کھاری سمندر میں پیدا ہوتے ہیں شیریں میں پیدا نہیں ہوتے۔ لیکن وہ ایسے ہی سمندر میں پیدا ہوتے ہیں جہاں دو سمندر ملتے ہیں جیسے مجمع البحرین۔ جس طرح نر و مادہ سے بچہ پیدا ہوتا ہے یہی حال موتیوں کا ہے۔ اس اعتبار سے بھی یہ کہنا درست ہوا کہ جیسا بچہ ماں اور باپ دونوں سے پیدا ہوتا ہے اگرچہ اوس کی ولادت بطن مادر سے ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح موتی بھی دو سمندروں سے نکلتا ہے اگرچہ اوس کی حقیقی طور پر برآمدی ایک سے عمل میں آتی ہو۔ یہ بھی خداوند تعالیٰ شانہ کی قدرت ہے۔

گویا دوسرا سمندر، نر کا حکم رکھتا ہے۔ سمندر میں بھی نر و مادہ کا امتیاز یہ بھی ایک نشان قدرت ہے۔ تو کیا جن وانس اس نشان و امتیاز کا بھی انکار کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

پھر یہ موتی مونگا صرف زینت و خوبصورتی کے لئے نہیں بلکہ اپنے افعال و خواص کے لحاظ سے بہت کارآمد ہیں۔ اطباء نے اپنی کتابوں میں صراحت کی ہے کہ خفقان، گندہ دہنی، ضعف جگر، گردہ، پتھری، سوزش بول سدد، یرقان، امراض قلب، زہر، وسوسہ، جنون، وحشت، کے لئے موتی کا پینا مفید ہے۔ اور جذام، برص، چھائیوں وغیرہ کے لئے اس کا ضماد (لیپ) فائدہ دیتا ہے اور مونگا مفرح ہے۔ فساد شہوت کے لئے اوس کو گلے میں لٹکانا فائدہ مند ہے۔ نفث الدم اور طحال کے لئے اوس کا پینا مفید ہے۔ اور امراض چشم کے لئے اوس کا سرمہ فائدہ دیتا ہے۔ نیز اس کے اور بھی فوائد ہیں غور کرو کہ ایک ایک میں کیا کیا فوائد مضمر ہیں۔ کیا اس کا انکار بھی کسی سے بن پڑتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

قوم سے خطاب غور کرو کہ منعم حقیقی نے سمندر بھی تمہاری منفعت کے لئے پیدا کیا اور اوس کو تمہارے لئے مسخر فرمایا۔ سمندر کی تہ میں موتی

اور مونگے پیدا کئے جس میں تمہاری زینت و خوبصورتی کا سامان کیا گیا ہے
نیز یہ تمہارے ادویہ و علاج کے کام آتے ہیں۔ جس سے اون کی قیمت و قدر
دوبالا ہو گئی ہے۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ لہٰذا تم اپنے پروردگار کی
کن کن نعمتوں کی تکذیب کرتے رہو گے؟ کیا سمندر کی تکذیب کرو گے یا اوس میں
جو موتی مونگے پیدا ہوتے ہیں اوس کا انکار کرو گے یا موتی مونگے کے ذریعہ حاصل
ہونے والی زینت و خوبصورتی کے منکر ہو گے یا اون کے ادویہ و علاج کے
طریق پر اون کے استعمال کا؟ یا اون ایسی قدر و قیمت کا یا ان سب چیزوں پر
تم کو تسلط و تسخیر دینے کا؟ جب کسی امر کے انکار و تکذیب کی کوئی گنجائش ہی نہیں تو
اپنے پروردگار پر کیوں ایمان نہیں لاتے اور اوس کے حکم کو کیوں نہیں مانتے؟

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ 55-2
رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۵ اور اسی کے ہیں جہاز کھڑے ہوئے سمندر میں مانند 55-2
پہاڑوں کے پھر اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاتے رہو گے"

ولہ الجوار کی تفسیر | سمندر میں جہازات اور کشتیاں جو چلتی ہیں
یہ بھی خداوند تعالیٰ کی قدرت اور بڑی نعمت ہے کہ ان کے ذریعہ
انسان ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک سفر کرتا اور مایحتاج اشیاء کو

منتقل کرتا رہتا ہے۔ اگر یہ جہاز اور کشتیاں نہ ہوتیں تو ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک انسان کا جانا دشوار تھا اس سفر سے جو سہولتیں نصیب ہوئیں اون کا شمار میں لانا ممکن نہیں۔ اگرچہ یہ جہاز اور کشتیاں انسانی مصنوعات ہیں لیکن خود انسان جب اللہ سبحانہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے تو انسان کی بنائی ہوئی تمام چیزیں بھی اوسی صانع حقیقی کی ایک صنعت ہوئی۔ نیز جہازات اور کشتیاں جن چیزوں سے بنتی ہیں اون میں سے ہر ہر چیز اللہ سبحانہ کی بنائی ہوئی ہے۔ لکڑی، لوہا، رسیاں، شیشے، چراغ تیل، بتی، پردہ، رنگ، روغن، پانی، ہوا، کیا کیا چیزیں گنائی جائیں۔ یہ تو قدیم زمانہ کے جہازات کے اجزاء ہوئے۔ ترقی یافتہ عہد کے اشیاء کوئلہ، آگ، ربڑ، برق، بھانپ، دوربین، قطب نما، طوفان نما، پٹرول اور طرح طرح کے آلات جو جہازوں میں استعمال کئے جاتے ہیں، اون کے اجزائے ترکیبی مثلاً مقناطیس وغیرہ یہ سب کس کی ایجاد ہیں۔ انسان نے صرف اپنے غور و فکر، عقل، دل، دماغ اور صلاحیتوں سے کام لیا ہے۔ مگر یہ دل و دماغ وغیرہ بھی کس کا عطیہ ہے؟ ان اعتبارات سے "وله الجوار" کہنا کچھ بھی مبالغہ نہیں کہ یہ تمام جہاز کشتیاں اوسی

خدائے واحد و قہار کی ہیں۔

بدرجۂ تنزل مان لیا کہ جہاز کسی شخص، یا جماعت یا سلطنت کا ہے لیکن سمندر کس کا اور اوس کے ہر دو ساحل ابتدائی اور انتہائی کس کے اور جہاز کی روانی، سلامتی، اور منزل مقصود تک رسائی کس کی حفاظت اور کس کی کفالت وضمانت پر موقوف ومنحصر؟ جواب ایک ہی اور صرف ایک کہ سب کچھ اوسی واحد و قہار کا۔ بالآخر کہنا پڑتا ہے۔ لَهُ الْمُلْكُ فله الْفُلْكُ۔ مُلک (سمندر) اللہ کا تو جہاز اور کشتی جو سمندر میں ڈال دی گئی وہ بھی اوسی کی۔ یہی سبب تھا کہ کافر بھی سمندر کا سفر کرتے اور جہاز میں سوار ہو جاتے تو اپنی تمام مشرکانہ باتیں بھول جاتے۔ "اذا رکبوا فی الفلك دعوا الله مخلصین له الدین۔ جہاز میں سوار ہوتے ہی مخلصانہ دعائیں مانگنے لگتے۔" فلما نجّاهم الی البرّ اذا هم یشرکون۔" پھر جب حق سبحانہ تعالیٰ اون کو خشکی پر پہنچا دیتا تو تب کہیں مشرکانہ طور طریق اختیار کرتے۔" ہائے انسان! کیسا احسان فراموش انسان؟ —

دوسری تفسیر	یہ تفسیر اس بنا پر ہے کہ لَهٗ کا لام، لام تملیک

قرار دیا جائے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ لام تملیک کی جگہ، لام تعجب لیا جائے۔ جیسے عرب کا محاورہ ہے: — للہ درّہٗ یہ جملہ اوس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کہ کسی میں کوئی کمال یا خوبی دیکھی جاتی ہے تو بے اختیار بول اوٹھتے ہیں کہ تیری یہ خوبی، خدا کی شان ہے" اس اعتبار سے آیہ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ سمندر میں جہازوں کی روانی (اور سلامتی کے ساتھ منزل مقصود تک رسائی) اوسی کی شان عظیم ہے" جہاز بجائے خود ایک پہاڑ کے مانند ہے جس میں پانی، کوئلہ، لوہا، سامان جانور و غلہ، سب کچھ وافر مقدار میں رکھا ہونے کے باوجود سینکڑوں مسافر فوج در فوج سفر کر رہے ہیں۔ دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک کوہ عظیم پانی پر تیرتا ہوا فی گھنٹہ کئی میل کی مسافت طے کر رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ باایں ہمہ سمندر کے مقابلہ میں پورا جہاز ایک تنکہ ہے۔

بحری نعمتیں غور کرو کہ سمندر کی تہ میں موتی، مونگے، درمیانی حصہ میں مچھلیاں اور بحری مخلوق، اور سطح سمندر پر جہاز اور کشتیاں خدا کی شان فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، اے گروہ جن و انس! تم اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے اور کن کن چیزوں کا انکار کرو گے؟ کیا ان

مذکورہ انعامات اور احسانات کے انکار کی بھی کچھ گنجایش ہے؟ کہو:-
ولا بشیئ من نعمك نكذب ربنا فلك الحمد - پروردگار ہمارے!
ہم آپ کی کسی نعمت کی تکذیب کی بھی جرأت وجسارت نہیں کرسکتے۔ آپ ہی
کے لئے ساری تعریف ہے۔"

عناصر اربعہ اور موجوداتِ عالم

پھر غور کرو کہ انسان کو مٹی سے بنایا، قوم جن کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا اور موتی مونگے پانی سے بنائے اور جہازوں کو ہوا کے زور سے چلایا۔ ان عناصر اربعہ سے کیسے کیسے عظیم الشان کام لئے۔ اگرچہ مذکورہ مصنوعات میں سے ہر ایک چیز عناصر اربعہ پر مشتمل ہے لیکن عنصر غالب انسان میں خاک، جن میں آگ، موتی میں پانی، اور جہاز میں ہوا ہے۔ پھر لطف خاص یہ ہے کہ خاک جو سب سے ادنیٰ ہے اوس سے بنے ہوئے انسان کو سب پر فضیلت دی اور ساری کائنات کو انسان کا مسخر اور تابع فرمان بنایا۔ تو خاکی انسان اور تکذیب آیاتِ رحمان۔ العجب ثم العجب۔

55-2 كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ
55-2 وَالْاِكْرَامِ ۝ 55-2 فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ جو کوئی ہے اوس

الرحمٰن ۲۶

(زمین) پر فنا ہونے والا ہے۔ اور باقی رہیگا منہ تیرے پروردگار کا ' بزرگی اور عظمت والا ' پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلائے جاؤ گے ؟"

امام شعبیؒ کی رائے امام شعبیؒ فرماتے ہیں :۔ اذا قرأت کل من علیہا فان فلا تسکت حتّٰی تقرأ و یبقی وجہ ربّك ذو الجلال والاکرام (ابن ابی حاتم) جب آیہ کریمہ کل من علیہا فان پڑھو تو بس نہ کرو تا آں کہ اس کے بعد والی آیہ کریمہ ویبقی وجہ ربّك ذو الجلال والاکرام بھی اوس کے ساتھ نہ پڑھ لو" یہ اس لئے کہ اگر بعد والی آیہ کریمہ نہ پڑھوگے اور پہلی آیت پر ہی قرأت ختم کردوگے تو معنی فاسد ہوں گے اور یہ مطلب ہوگا کہ زمین پر جو کوئی ہے وہ فنا ہونے والا ہے اس سے خداوند تعالیٰ شانہ کا فنا ہونا بھی سمجھ لیا جائے گا نعوذ باللہ منہ۔ بلکہ ساتھ ہی ویبقی وجہ ربك بھی پڑھ لینا چاہیئے یعنی سب فانی اور وہی باقی ہے۔ خواہ دونوں آیات کو ایک ہی سانس میں پڑھے یا دو سانس میں مگر دونوں کو ملا کر پڑھے پہلی آیت پر بس نہ کیجئے۔ یہی وجہ ہے کہ فانِ پر لا اور ج دونوں علامتیں مصاحف شریفہ میں مرقوم ہیں۔ یعنی اس کلمہ پر اگرچہ سانس توڑ کر وقف کرنا جائز ہے لیکن بغیر سانس لئے دونوں آیات کو ایک ساتھ پڑھنا ہی

اولیٰ و افضل ہے۔ واللہ اعلم۔

نعمت سے منعم کی معرفت یہاں سے دوسرے رکوع کا آغاز ہے پہلے رکوع میں جن جن نعمتوں کا بیان ہوا اگرچہ ان میں سے ہر نعمت بجائے خود عظیم الشان، کثیر المنفعۃ ہے لیکن یہ سب بلکہ جن و انس بھی جو مذکورہ نعمتوں سے منتفع ہونے والے ہیں تمام کے تمام فانی ہیں۔ باقی رہنے والی ذات اوسی حی و قیوم، ذو الجلال والاکرام کی۔ لہٰذا اگر تمھاری دلچسپی فانی کے ساتھ ہوگی تو یہ دلچسپی بھی فنا ہو کر رہیگی۔ اور اگر باقی کے ساتھ دلبستگی ہوگی تو ایسی دل بستگی ہی باقی اور کارآمد ہوگی۔ پس ہر نعمت میں اللہ سبحانہ کی یاد قائم کیجئے اور اوس کے ظہور کو پیش نظر رکھ کر اوسی کا ذکر و شکر کیا کیجئے کہ تمام نعمتوں کا مرکز و منبع وہی ذات پاک ہے۔ نعمت صرف ایک واسطہ اور حجاب ہے۔ اس کو درمیان سے اٹھاؤ اور خالق النعم کا مشاہدہ کرو کہ یہ اعظم النعم ہے۔ ساری نعمتیں اوس کے آگے ہیچ ہیں۔ اگر جنت میں بھی دیدار الٰہی نہ ہو تو عارف کے نزدیک جنت کس کام کی؟

ذو الجلال والاکرام کی تفسیر کرمانی شارح بخاری لکھتے ہیں

انّہ تعالیٰ لہ صفات عدمیّۃ مثل لا شریک لہ وتسمّی صفات الجلال

لما انها تؤدّی بجلّ عن کذا اجلّ عن کذا وصفات وجودیّۃ کالحیاۃ والعلم وتسمّی صفات الاکرام خداوند تعالیٰ شانہ کے بعض صفات عدمیہ ہیں جیسے لا شریك له اوس کا کوئی شریک نہیں۔ ان کو صفاتِ جلالیہ کہتے ہیں کیوں کہ جب ان کا بیان ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ اس سے بالاتر ہے۔ اس سے بلند تر ہے۔ اور بعض صفات وجودیہ ہیں جیسے حیات اور علم۔ ان کا نام صفات اکرام ہے" گویا صفات عدمیہ اور وجودیہ دونوں کے اعتبار سے اللہ سبحانہ کی ذات' ماسوی اللہ سے ممتاز ہے۔

راغب اصبہانی لکھتے ہیں :- انّ ھذا الوصف قد خصّ به عزّوجلّ ولم یستعمل فی غیرہ فھو من اجلّ اوصافه سبحانه یہ وصف خدائے عزوجل کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیر اللہ کے لئے کہیں بھی اس کا استعمال نہیں کیا گیا۔ لہٰذا یہ حق سبحانہ کا وصف اعلیٰ ہے اس کی تائید اوس حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے جس کو ترمذی نے حضرت انسؓ سے اور امام احمدؒ نے حضرت ربیعہ بن عامرؓ سے روایت کی ہے :- الظّوا بیاذا الجلال والاکرام۔ یعنی یاذا الجلال والاکرام کو لازم جانو

اور اپنی دعاؤں میں اس کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔"

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں:۔ انه كان مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجل يصلي ثم دعا فقال اللهم انى اسألك بان لك الحمد لا اله الا انت المنان بديع السموات والارض ذوالجلال والاكرام يا حيّ يا قيّوم۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اوس نے (نماز کے بعد) یہ دعا کی:۔ الٰہی! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ ساری تعریف تیری ذات کے لئے ہے۔ تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں تو بڑے احسان والا آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی نمونہ کے بنانے والا۔ بڑی بزرگی اور شان والا ہے۔ اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! اے ہمیشہ قایم رہنے والے! یہ سن کر آپؐ نے صحابہ سے فرمایا اتدرون بما دعا قالوا الله ورسوله اعلم قال والذى نفسى بيده لقد دعا الله باسمه الاعظم الذى اذا دعى به اجاب واذا سئل به اعطى۔ تم کو معلوم بھی ہے کہ اس نے کیا دعا کی؟ صحابہ رضؓ نے عرض کیا' اللہ اور اوس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ اس نے اسم اعظم سے دعا کی ہے کہ اگر اوسکے ذریعہ

دعا کی جائے تو اللہ اوس کو قبول فرمائے گا اور اوس سے جو کچھ مانگا جائے
تو ضرور دیگا ۔"

اور ایک روایت یوں ہے کہ آپؐ نے اوس شخص سے فرمایا:۔
استجیب لك الدعاء ۔ تیری دعا قبول کرلی گئی ۔"

حمید بن ہلال کہتے ہیں کہ ایک صحابیؓ نے فرمایا:۔ یرحم اللہ
رجلا اتی علی هذه الآیة فسأل بذلك الوجه الکافی الکریم
(ابن المنذر، بیہقی) اللہ اوس پر رحم فرمائے جو اس آیہ کریمہ کی تلاوت
کرے اور اوس کفایت کرنے والی ذات کریم کا واسطہ دیکر دعا کرے ۔"
بیہقی کی روایت میں بذلك الوجه الباقی الجمیل کے الفاظ ہیں۔

فقیر بھی اوس وجہ کریم 'کافی' باقی' جمیل کا واسطہ دیکر دعا
کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ ہماری اور تمام مسلمانوں کی بگڑی بنادے اور
امۃ مرحومہ پر اپنی رحمت خاصہ نازل کرے ۔ آمین ثم آمین ۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ٥ سو تم اپنے رب کی کیا کیا
نعمتیں جھٹلاؤ گے ؟ "

زمین پر جس قدر مخلوق ہے اوس کی فنا' اور خدائے ذو الجلال و الاکرام کی

بقا کو ایک ساتھ ملا کر بیان کرنے میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ
تمھاری حیات فانیہ ختم ہونے کے بعد حیات باقیہ آنے والی ہے جسکے بعد
پھر کسی موت اور فنا سے سابقہ نہ پڑیگا۔ جب اس حیات فانیہ کے لئے اتنی
ان گنت نعمتیں پیدا کی گئی ہیں تو اندازہ کرو کہ حیات باقیہ کے لئے کیا کچھ
سامان نہیں کیا گیا ہوگا؟ اور وہ کیسی عالی شان نعمتیں ہونگی پھر ان سب سے
بڑھکر خداوند تعالیٰ شانہ کا دیدار! اللہ اکبر۔ کوئی ہے جو اس کا انکار و
تکذیب کرے؟ کوئی نہیں۔

یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ[1] ۚ ۝ 55-2
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ اوس سے مانگتے رہتے ہیں جو ہیں 55-3
آسمانوں اور زمین میں، ہر روز اوس کا ایک کام ہے پھر کیا کیا نعمتیں
اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟"

(الرحمٰن ۲۹، ۳۰)

[1] الشأن الحال والامر الذی یتفق ویصلح ولا یقال الا فیما
یعظم من الاحوال والامور۔ (مفردات) وہ حال یا امر جو شائستہ اور
شایاں ہو۔ شأن کا اطلاق مہتم بالشان احوال اور عظیم الشان امور پر ہی ہوتا ہے۔"
القضاء ھو الحکم الکلی الواقع فی الازل والقدر ھو

یسأله من فی السموات والارض کی تفسیر	ابو صالحؒ کہتے ہیں:۔ یسأله من فی السموات الرحمة و یسأله من فی الارض

المغفرة والرزق۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) آسمان والے رحمت کی درخواست کرتے رہتے ہیں اور زمین والے اللہ سبحانہ سے مغفرت اور رزق کی درخواست

(بقیہ حاشیہ لے صفحہ گذشتہ)

صدور تلك الاحكام فی ازمنتها المقدرة فبالاعتبار الاول قال جفّ القلم بما هو كائن وبالاعتبار الثانی قال كلّ يوم هو فی شان وهذا بالنسبة الی المقضيات ولا تغيّر فی ذاته ولا فی صفاته ولا فی افعاله وبالجملة هی شئون يبديها لا شئون يبتديها۔ (نیشاپوری)

"قضاء" وہ حکم کلی ہے جو ازل میں صادر ہو چکا ہے اور "قدر" اون احکام کی تکمیل اون کے مقررہ زمانہ میں ہونیکا نام ہے اعتبار اول کے لحاظ سے جفّ القلم بما هو كائن ارشاد ہوا کہ جو کچھ قیامت تک ہونیوالا ہے قلم نے اوسکو لکھدیا اور روشنائی خشک ہو چکی ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اور اعتبار دوم کے لحاظ سے کل یوم هو فی شأن ارشاد ہوا ہے یعنی اوسی حکم ازلی کے مطابق ہر چیز اپنے اپنے وقت پر ظہور پذیر ہو رہی ہے۔ باقی خداوند تعالےٰ شانہ کی ذات صفات اور افعال میں کوئی تغیر رونما نہیں ہے۔ بہرحال ہر کام قدرت الٰہی سے ظہور ہو رہا ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ سبحانہ روز ایک نیا کام کرتا ہے"

کرتے ہیں" یعنی زبان قال سے یا حال سے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں: یسأل عبادہ ایاہ الرزق والموت والحیات کل یوم ھو فی ذلك۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) بندگانِ خدا (خواہ وہ ملائکہ سماء ہوں یا زمین پر رہنے والے جن و انس) اللہ سبحانہ تعالیٰ سے رزق، موت و حیات کی درخواست کرتے رہتے ہیں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ روزانہ اون کے قضائے حاجات اور اس نوع کے تدابیر میں ہے۔" گویا رزق، موت و حیات کی تعیین و تخصیص نہیں ہے یہ چیزیں بطور مثال بیان ہوئی ہیں۔ تدبیرات الٰہیہ صبح سے شام اور شام سے صبح تک ہمیشہ جاری و ساری ہیں۔ ایک دم ان سے غافل نہیں۔ تو بندوں کا فریضہ بھی یہ ہوتا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ان انعامات و احسانات کا شکر ادا کریں اور اوس کے احکام کی تعمیل اور اپنے فرض کی ادائی میں مشغول رہیں کہ یہی اقتضائے عبودیت ہے

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

نیز اپنی تمام حاجتیں اوس کے آگے پیش کریں۔ اور اون چیزوں کی درخواست کریں جو نہ صرف حیاتِ دنیا میں کام آئیں بلکہ عالم آخرت کا امن و چین

نصیب ہو اور ابدالآباد کی راحت کا سامان حاصل ہو۔

کلّ یوم ھو فی شأن کی تفسیر ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں:۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ کل یوم ھو فی شأن قال من شأنہ ان یغفر ذنبا ویفرج کربا ویرفع قوما ویضع آخرین ویجیب داعیا۔ (حسن بن سفیان، بزار، ابن جریر، طبرانی، ابو الشیخ، ابن مردویہ، بیہقی، ابن عساکر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلّ یوم ھو فی شأن کی تفسیر میں فرمایا اوس کے شیون قدرت سے یہ بھی ہے کہ (گنہگاروں کے) گناہ بخشے اور (پریشان حال کی) پریشانی دفع کرے، کسی قوم کا رتبہ بلند کرے اور کسی کو پست کردے اور دعاؤں کو قبول فرمائے۔"

ابو الجوزاءؒ فرماتے ہیں:۔ لا یشغلہ شأن عن شأن۔ (عبد بن حمید) شیونات الٰہیہ میں سے کوئی شان، اوس کو دوسری شان سے غافل نہیں کرسکتی۔" یعنی ایک حالت یا ایک کام، اوس کو دوسرے حال یا کام سے غافل نہیں کرسکتا۔ جس کام کا جو وقت، اللہ سبحانہ نے ازل میں مقرر فرمادیا ہے وہ اپنے مقررہ وقت پر ہو کر رہیگا۔ اگر ایک وقت میں مختلف النوع دس ہزار کام تکمیل پانے کا فیصلہ ہوچکا ہے تو وہ تمام کام اوس ایک وقت میں تکمیل پاکر

رہیں گے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اون میں سے کوئی چھوٹ جائے یا ادھورا رہ جائے۔ خواہ اوس وقت دوسرے کیسے ہی عظیم الشان کام درپیش ہوں۔ اور خواہ کائنات کیسے ہی انقلاب سے گزر رہی ہو۔

دنیا میں کیسے کیسے عظیم انقلابات آتے ہیں کہ بڑے بڑے حکام اور ذی اقتدار اشخاص کو دم بھر کی فرصت نہیں رہتی۔ وہ اپنی بھوک پیاس راحت و آرام سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اون کو خود کی فکر نہیں رہتی ہے۔ لیکن اللہ سبحانہ کے احکام ایسے نازک دور میں بھی اوسی بے تکلفی اور سہولت کے ساتھ انجام پاتے رہتے ہیں جیسا کہ عام حالات میں انجام پاتے تھے۔ پیدا ہونے والے بچے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ مرنے والے مرتے ہیں صلب پدر سے رحم مادر میں منتقل ہونے والے منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ آفتاب طلوع اور غروب ہوتا ہے اوسی رفتار کے ساتھ جو ابتدا سے ہے۔ نہ اوس میں سرعت پیدا ہوتی ہے نہ تاخیر کا نام ہے۔ دبستان قدرت کا درس ہے کہ بلا تعطیل جاری ہے۔ ع۔ روان است اسباق تعطیل نیست۔ کہیں اس کی مثال مل سکتی ہے؟ حاشا وکلا۔

فبأیِّ آلاءِ ربکما تکذّبان۔ تدبیرات الٰہیہ جو اس طرح

بلا توقف جاری ہیں ان کا نظام کتنا زبردست ہے کوئی ہے جو اس کو توڑ سکے
یا بگاڑ سکے۔ یا کم از کم اس کا رخ ایک طرف سے دوسری طرف پھیر سکے؟ پھر
اے گروہ جن و انس! اپنے رب کی کن کن آیات کو جھٹلاؤ گے؟

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ 55-3
55-3

اب ہم عنقریب تمہاری طرف فارغ ہونے والے ہیں اے دو بھاری گروہ!
پھر تم ہماری کن کن آیات کو جھٹلاؤ گے؟

تمام زمانہ صرف دو دن کا ہے یعنی ہم اس سلسلہ کو ختم کرکے دوسرا دور
شروع کرنے والے ہیں۔ جو حساب و کتاب، سوال و جواب، اور عذاب و
ثواب کا ہوگا۔ موجودہ سلسلہ پیدا کرنے، جلانے، مارنے کا ختم ہو جائیگا۔
جیسا کہ سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں:۔ الدھر کلہ عند اللہ یومان
احدھما مدۃ ایام الدنیا والاخرمدۃ الآخرۃ وشأنہ فی یوم الدنیا
الاختیار بالامر والنہی والاحیاء والاماتۃ والاعطاء والمنع
وغیر ذلک وشأنہ فی یوم القیامۃ الجزاء والحساب والثواب
والعقاب وغیر ذلک۔ کل زمانہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے پاس دو دن کا
ہے۔ اس دنیا کی پوری مدت، ایک دن ہے۔ اور پوری آخرت کی مدت

(۵۵) الرحمٰن ۳۱ تا ۳۲

ایک دن ۔ دنیا جو ایک دن کے برابر ہے اوس میں اللہ سبحانہ کا کام، اوامر و نواہی کے ذریعہ اپنے بندوں کو آزمانا، اون کو جلانا اور مارنا، اونکو عطایا سے سرفراز کرنا یا اوس سے باز رکھنا وغیرہ ۔ اور قیامت میں اوس کا کام جزا و حساب، ثواب و عقاب وغیرہ ؎

سنفرغ لکم کی تفسیر | زجّاج کہتے ہیں :۔ الفراغ فی اللغۃ علی ضربین ۔ احدھما الفراغ من الشغل والآخر القصد للشئی والاقبال علیہ کما ھنا ۔ "فراغ" کے معنی از روئے لغت دو طرح ہیں ۔ ایک یہ کہ کسی کام میں لگے ہوئے ہوں اوس سے فارغ ہونا ۔ دوسرے یہ کہ کسی چیز کا ارادہ کرنا اور اوس کی طرف متوجہ ہونا ۔ یہاں یہی معنی مراد ہیں ؎ یعنی سنفرغ لکم کے معنی یہ نہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ایک کام میں لگے ہوئے رہنے کے بعد اب عنقریب فارغ ہو جائے گا ۔ آئندہ کوئی کام نہ رہیگا ۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ اب ہم تمھارے حساب و کتاب، ثواب، عتاب کی طرف متوجہ ہوں گے ۔ امر و نہی، احیاء و اماتۃ وغیرہ کا دور ہی گزر چکا اب اوس کے ثمرات و نتائج کا دور شروع ہوگا ۔ اور یہ نامتناہی ہوگا ۔ سزا بھی نامتناہی ہوگی ۔ جزا بھی نامتناہی ۔ یہ اس لئے کہ کافر کی

نیت یہ تھی کہ وہ جب تک زندہ رہیگا۔ اپنے کفر پر اڑا رہیگا۔ کبھی اوس سے باز نہ آئیگا۔ اور مومن کی نیت یہ تھی کہ وہ جب تک زندہ رہیگا اللہ کا بندہ بنا رہیگا۔ کبھی اپنا عہد نہ توڑیگا۔ یہ اور بات ہے کہ کافر اور مومن دونوں کی زندگی محدود تھی مگر ان کی نیت اور ارادہ کی کوئی حد نہ تھی اور حدیث شریف ہے :۔ الاعمال بالنیات۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے " اس اعتبار سے مومن ہو یا کافر اوس کی جزا نامحدود مدت تک درست ہوئی۔

محاسبہ کی ضرورت بہرحال جب حیات دنیا کا سلسلہ ختم ہوجائیگا تو جو جو نعمتیں یہاں دی گئی تھیں اون کا حساب کتاب ہوگا اور جب سب چھوڑکر اس جانب توجہ ہوگی تو غور کرو کہ یہ کیسا کٹھن دن ہوگا۔ کفار و منافقین و معاندین، دنیا میں تو اس دن کے منکر رہے لیکن عالم آخرت میں یہ دن سامنے آجائے گا تو فبای آلاء ربکما تکذبان کیا یہاں کی طرح وہاں بھی تکذیب و انکار ہوسکیگا ؟ اور جب یہ ممکن نہیں تو دانائی کی بات یہی ہے کہ ابھی سے تکذیب و انکار چھوڑدیں اور اپنا حساب درست کریں۔ حدیث شریف ہے :۔ حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ حساب

لیا جانے سے پیشتر ہی اپنا محاسبہ آپ کرو"۔ اسی میں نجات ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا 55-33
مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ اے گروہ جن وانس! اگر تم سے 55-34
ہوسکتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے پار ہو جاتا تو اون میں سے گھس کر پار ہو جاؤ۔ (مگر یاد رکھو کہ) کسی طاقت کے بغیر تم پار نہیں ہو سکتے۔ پھر اپنے پروردگار کی کن کن قدرتوں کی تکذیب کرو گے؟

يٰمعشر الجن والانس کی تفسیر پروردگار عالم جب تمام جن و انس کا حساب لینے پر مائل و متوجہ ہو گا تو اہل ایمان جو حکم خدا اور رسول پر قائم رہے ان کو تو بڑی مسرت ہو گی اور خوشی کے مارے پھولوں نہ سمائیں گے کہ اون کی جزائے خیر کا وقت آگیا اور جو وعدے اون کو دئے گئے تھے اب اون کا ایفا ہو گا لیکن بہتیرے ان میں وہ ہوں گے جن کا حال برعکس تھا۔ یہ خطاب اسی قسم کے افراد سے ہو گا کہ اے گروہ جن وانس! آج کی ہولناکیوں سے بچنے کی خاطر اگر تم سے ہو سکتا ہے کہ تم اس وقت زمین پر جہاں کھڑے ہوئے ہو وہاں سے گھس کر زمین کے دوسرے کنارہ سے

نکل آؤ تاکہ تمھیں کوئی گرفتار نہ کرسکے تو گھس جاؤ اور زمین میں سُرنگ لگاکر دوسری طرف نکل بھاگو۔ مگر یاد رہے کہ تم سے ایسا نہ ہوسکیگا۔ یا آسمان جو تمھاری آنکھوں کے سامنے ہے اوس پر چڑھکر، آسمان کے دوسرے کنارہ پر برآمد ہوجاؤ۔ مگر تم سے یہ بھی نہ ہوسکیگا۔

ضحاکؒ کہتے ہیں:۔ اذا کان یوم القیامۃ امر اللّٰہ السماء الدنیا تنشق باھلھا فتکون الملائکۃ علی حافاتھا حتی یامرھا الرب فینزلون الی الارض فیحیطون بالارض ومن فیھا ثم یامر اللّٰہ السماء التی تلیھا کذلک فینزلون فیکونون صفا خلف ذلک الصف ثم السماء الثالثۃ ثم الرابعۃ الی السابعۃ فتنزل ملائکۃ الرفیع الاعلی فلا یأتون قطرا من اقطارھا الا وجد واصفوفا من الملائکۃ۔ (قرطبی) قیامت کے دن، پہلے آسمان کو حکم الٰہی ہوگا تو وہ پھٹ جائیگا اور وہاں کے فرشتے حکم الٰہی سے زمین پر اتر کر پوری زمین کو گھیرے میں لے لیں گے۔ پھر دوسرے تیسرے آسمانوں کو اسی طرح سلسلہ بسلسلہ حکم ہوگا یہاں تک کہ ساتوں آسمان پھٹ جائیں گے اور ایک ایک آسمان کے فرشتے زمین کا احاطہ کرتے جائیں گے۔ اور ملائکہ کی سات

سات قطاریں ایک کے پیچھے ایک لگ جائینگی ؎

اب جو کوئی شخص، زمین کے کسی بھی حصہ سے نکل کر دوسری طرف بھاگ جانا چاہیگا تو اوس کو فرشتوں کے ان سات احاطوں سے سابقہ ہوگا۔ ممکن نہ ہوگا کہ کوئی اپنی جگہ سے نکل کر دوسری طرف بھاگ جائے۔ زمین اور اہل زمین کا یہ حال ہوگا تو آسمان تک رسائی کی کیا صورت؟ جب کہ آسمانوں کا وجود تک باقی نہ رہیگا۔ تمام آسمان شق ہو جائینگے۔

نکتہ | مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فانفذوا کا جو حکم یہاں ہو رہا ہے یہ "امر تعجیز" ہے۔ یعنی جن وانس کو عاجز کرنے کے لئے ہے۔ مطلب یہ کہ جن وانس نہ تو آسمانوں اور زمین میں سے نفوذ کر سکتے ہیں اور نہ یہ امر اون کے لئے ممکن ہے۔ نیز یہ کہ یہاں معشر الجن کو انس پر مقدم اسلئے لایا گیا ہے کہ اس طرح نکل بھاگنا ایک دقت طلب اور دشوار گزار امر ہے۔ چونکہ انسان کے مقابلہ میں جنّ ایسے امور شاقہ کے زیادہ عادی ہوتے ہیں اس لئے اس کی دعوت معشر الجن ہی کو سب سے پہلے دیگئی۔ تا یہ معلوم ہو سکے کہ تکالیف شاقہ برداشت کرنے والی قوم جب اس کی تکمیل سے قاصر اور عاجز ہے تو انسان ضعیف البنیان سے یہ کام کس طرح

ہو سکتا ہے۔

اس کے برخلاف آیہ کریمہ قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یأتوا بمثل ھذا القرآن میں قرآن کا جواب لانے کی فرمایش تھی۔ اس کام پر بہ نسبت قوم جن کے انسان ہی زیادہ تر قادر تھا۔ اس لئے یہاں "انس" کا لفظ مقدم لایا گیا تا یہ واضح ہو جائے کہ "جواب لانا" ایسا امر ہے کہ اگر اس کو کوئی کر سکتا تو وہ انسان ہی ہو سکتا اور جب اوس سے یہ کام نہ ہو سکا تو قوم جنّ جو ایسے کاروبار میں انسان سے گھٹیا ہے وہ کیا کر سکیگی؟

تفسیر ابن عباسؓ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ان استطعتم ان تعلموا ما فی السموات والارض فاعلموہ ولم تعلموہ الا بسلطان ای بیّنۃ من اللہ تعالیٰ۔ (ابن جریر) یعنی اے گروہ جن وانس! آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اگر تم اوس کا علم حاصل کرنا چاہو اور تم سے یہ ہو سکے تو اپنی یہ آرزو بھی پوری کر لو مگر یاد رہے کہ تم اوس کو نہ جان سکو گے بجز اقتدار کے جو اللہ سبحانہ کی طرف سے دیا جائے۔"

دنیا کی معمولی سلطنتوں کا یہ انتظام ہے کہ ایک سلطنت کا باشندہ دوسری سلطنت میں جانا چاہے تو بغیر پروانہ راہ داری کے نہیں جا سکتا۔

اگر کسی حکومت کی غفلت سے فائدہ اوٹھا کر کہیں کوئی پہنچ بھی گیا تو فوراً گرفتار کر لیا جاتا اور قید و بند میں پڑ جاتا ہے۔ خداوند تعالیٰ شانہ کا یہ حال ہے:۔ لہ الملک ولہ الحمد۔ سارا ملک اوسی کا اور ساری تعریف اوسی کے لئے" آسمان ہوں یا زمین۔ سب اوسی کی قلمرو ہے۔ اور ہر جگہ کا نظم و نسق مختلف صورتوں میں سہی مگر ایک ہی نظام کے تحت ہے۔ اور نظام بھی ایسا مستحکم کہ سرمو اوس سے تجاوز ممکن نہیں۔ جس میں غفلت نام کو نہیں۔ نہ کسی کی سفارش کام دے سکتی اور نہ کہیں رشوت چل سکتی ہے تو اوس کی اجازت اور سند کے بغیر کوئی کہاں جا سکتا ہے اور کسی چیز کا علم کس طرح حاصل کر سکتا ہے؟ اللہ سبحانہ کے مقابلہ میں وہ کون ہے جو اپنا زور بتا سکے اور اوس پر غالب آسکے؟

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ بعض مخلوقات سطح زمین پر رہنے کے لئے بنائی گئی ہیں وہ قعر زمین میں نہیں رہ سکتیں۔ اور جو زمین کی سوراخوں میں رہنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ سطح زمین پر اون کی خیر نہیں مچھلی پانی میں رہتی ہے اگر خشکی پر آجائے تو ماہی بے آب کی مثل مشہور ہے۔ انسان کا گزر ہر جگہ ہو سکتا ہے وہ سرنگیں بھی بناتا ہے۔ پانی اور

ھوا پر بھی سفر کرتا ہے مگر جب تک وہ سطح زمین پر نہ آجائے بے چین رہتا ہے

سیر مریخ فی زمانا مغربی اقوام میں ایک مہم زیر غور ہے کہ چاند یا مریخ تک رسائی حاصل کی جائے۔ چنانچہ فلاسفہ جدید اس کے درپے ہیں۔ آئے دن مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں کہ کس نے کہاں تک کھوج لگائی اور کیا معلومات فراہم ہوئے۔ نیز اس میں کیا موانع درپیش ہیں اور ان کا حل کیا ہوگا یا وقتاً فوقتاً نتائج تحقیقات، عام معلومات کے لئے بتائے بھی جاتے ہیں۔ بالفرض وہاں تک رسائی بھی ہوجائے تو سوال یہ ہے کہ اوامر و نواہی جو حق تعالیٰ کی طرف سے دئے گئے ہیں ان سے بچنا تو ممکن نہ ہوگا۔ پھر سوال جواب اور ثواب و عقاب جو متعلق ہے اس سے چھٹکارا کیوں کر ہوگا۔ ایمان و عمل صالح کے مباحث بہرحال متعلق ہی رہیں گے۔ مقصد آفرینش بھی حسب ارشاد خداوندی یہی ہے:۔ وما خلقت الجنّ والانس الا لیعبدونِ "میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے" پھر اس کی تعمیل و تکمیل کی فکر کیوں نہیں کی جاتی؟

فبایّ آلاءِ ربّکما تکذّبان۔ ان تمام تفصیلات کو سمجھانا

اور جملہ تشیب و فراز پر متنبہ کرنا' غور کرو کتنی بڑی نعمت ہے؟ کیا
پھر بھی اوس کی نعمتوں کو جھٹلاتے رہو گے؟

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ[1] مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ[2] فَلَا 55-35
تَنْتَصِرَانِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ چھوڑے جائینگے 55-36

۵۵ (۱) ۳۵ - ۳۶

[1] الشواظ اللهب الذی لادخان فیه - (مفردات و محیط المحیط) جس شعلہ میں دھواں نہ ہو وہ "شواظ" ہے۔

[2] النحاس مثلثة القطر اوهو معدن یقرب من الفضة لیس بینهما تباین الا بالحمرة والیبس وکثرة الوسخ تتخذ منه آنیة للطعام والشراب وغیرها۔ والنحاس ایضاً النار والدخان لا لهب فیه وما سقط من شرار الصفر والحدید اذا طرق۔ (محیط المحیط) نحاس کے نون میں تینوں حرکات جائز ہیں۔ گندھک کو کہتے ہیں یا وہ کان جو چاندی کے قریب قریب ہے ان دونوں میں فرق صرف سرخی اور یبوست اور میل کچیل کی کثرت کا ہے۔ یعنی تانبا جس سے کھانے پینے کے برتن بنائے جاتے ہیں نیز نحاس اوس آگ کو کہتے ہیں جس میں دھواں ہو اور شعلہ نہ ہو۔ نیز نحاس اون چنگاریوں کو کہتے ہیں جو لوہے وغیرہ کو پیٹتے وقت نکلتی ہیں۔

تم پر شعلے آگ کے صاف اور دھواں ملے ہوئے، پھر تم بدلہ نہیں لے سکتے

پھر تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں (اور آیات) کو جھٹلاؤ گے؟

شواظ من نار ونحاس کی تفسیر

مطلب یہ کہ اس نظام کے برخاست کئے جانے کے بعد قیامت کا دوسرا انتظام جو درپیش ہوگا اوس کے خلاف بھی کسی کی کوئی سعی کارآمد نہ ہوگی۔ کوئی اوس سے بچ کر نکل جانا چاہیگا تو یہ بھی اوس سے ممکن نہ ہوگا۔ ایسی سعی کرنے والوں پر آگ کے شعلے گرائے جائیں گے جن میں دھواں نہ ہوگا۔ ایسی آگ نہایت تیز ہوتی ہے۔ دوسری طرف دھوئیں کی چادریں چھوڑی جائیں گی اس دھوئیں سے چنگاریاں نکلتی ہوں گی اور بھاگ نکلنے والوں کو وہ چنگاریاں جلاتی ہوں گی۔ دھوئیں سے جدا دم گھٹتا ہوگا اس کی مدافعت کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ نہ کوئی تدبیر بن پڑے گی۔

ان حالات کی اطلاع پیش از پیش اس لئے دی جارہی ہے کہ اوس سے بچاؤ کا سامان، اسی زندگی میں کر لیا جائے۔ کسی ناقابل مدافعت مہم کی اطلاع قبل از قبل دیجانا، یہ بھی بہت بڑی نعمت اور بڑا احسان ہے جس کی قدر کی جانی چاہئے۔ فبای آلاء ربکما تکذبان۔

توکیا ان نعمتوں کی بھی تکذیب ہی کروگے؟ اگر یہاں تکذیب کروگے تو وہاں ان مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اب اختیار ہے کہ جو صورت چاہو اختیار کرو۔ یہی نہیں بلکہ جو افتاد آئندہ درپیش ہوگی کچھ اور باقی ہے جو آگے بیان کی جارہی ہے جس سے پوری صورتِ حال سامنے آتی ہے۔ ارشاد ہے:۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۚ 55-37
فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ پھر جب آسمان پھٹ جائے تو وہ 55-38
گلابی (سرخ) ہوجائیگا تیل کی تلچھٹ کی طرح، پھر تم اپنے رب کی
کن کن نعمتوں (اور آیات) کی تکذیب کرتے جاؤگے؟"

گرمیِ محشر نہ پوچھو کہ الامان والحفیظ۔ ادھر شعلے بھپکے جارہے ہیں، ادھر دھوئیں کی چادریں ہیں اور ان میں سے چنگاریاں نکل رہی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آسمان پھٹ جائیں گے اور آگ سے تپ کر ایک طرف تو آسمان کا رنگ گلاب کی طرح سرخ ہوجائیگا۔ دوسری طرف آگ کی سوزش سے آسمان پگھلنے لگیگا جیسے تیل وغیرہ چکنی چیزیں گرمی سے پگھلنے لگتی ہیں۔

وجود افلاک پر بحث کہتے ہیں کہ آسمان کا اصلی رنگ سرخ ہی ہے
ہم کو جو نیلگوں نظر آتا ہے یہ صرف دوری کی بنا پر ہے۔ چونکہ ہمارے
اور اوس کے درمیان بہت ساری چیزیں علاوہ بُعد مسافت کے حائل
ہیں اس لئے اوس کا اصلی رنگ نظر نہیں آنے پاتا۔ فی زمانا جو لوگ
طیارہ کے ذریعہ سفر کرتے ہیں اون کا مشاہدہ ہے کہ طیارہ جب زمین سے
بہت بلند ہو جاتا ہے تو زمین اون کی نظروں سے چھپ جاتی ہے۔
نہ زمین نظر آتی اور نہ درخت، نہ مکانات اور نہ پہاڑ وغیرہ۔ بلکہ طیارے
کے نیچے بھی نیلگوں فضا ہی نظر آتی ہے۔ یہی حال آسمانوں کا بھی سمجھنا
چاہئے کہ نیلا رنگ جو نظر آرہا ہے وہ آسمان کا نہیں۔ آسمان تو دوری
کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہی ہیں یہ نیلا رنگ فضا اور اوس کے
بُعد کے باعث دکھائی دے رہا ہے۔ اور یہی رنگ طیارے پر سے
زمین کی سمت بھی دکھائی دیتا ہے۔ لیکن جس طرح اس رنگ کے
باعث، زمین کے وجود کا انکار درست نہیں۔ افلاک کا انکار بھی درست
نہیں ہو سکتا۔ البتہ نیلگوں فضا کو افلاک قرار دینا یہ حقیقت نہیں بلکہ
مجاز ہے۔ واللہ اعلم ۔ یہ اور بات ہے کہ افلاک کا وجود محققین کے

نزدیک ابھی تک ثابت نہ ہو سکا لیکن اون کے نہ ہونے پر بھی اب تک
کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی۔ جب تک کوئی دلیل قائم نہ ہو انکار درست نہ ہوگا۔
اگر اون کا وجود محقق نہیں ہوا ہے تو آج نہیں کل متحقق ہوگا۔ قرآن کریم میں
جب خبر دی گئی ہے تو اوس کا تحقق ایک نہ ایک دن ہو کر رہیگا۔

بہر حال آسمان جب سرخ ہو کر پگھلنے لگیں گے تو اہل محشر کا جو حال
ہوگا اوس کا اندازہ کر لیا جائے۔ فبأیّ آلاء ربکما تکذبان۔
تو کیا اپنے رب کی ان نعمتوں (اور آیات) کی بھی تکذیب کروگے؟

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ ۝ 55-3
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ 55-4 55-4
فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ 55-4

پھر اوس دن پوچھ نہ ہوگی اوس کے گناہ کی کسی آدمی سے اور نہ جن سے
پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ پہچانے جائیں گے گنہگار اونکی
نشانی سے، پھر اون کو پکڑا جائے گا پیشانی اور پاؤں سے، پھر اپنے رب کی
کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟"

لا یسئل عن ذنبه کی تفسیر | مجاہدؒ کہتے ہیں:۔ لا تسأل الملائکة

عن المجرم یعرفونھم بسیماھم۔ (آدم، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر بیہقی) مجرم کے بارے میں ملائکہ کوئی سوال نہ کریں گے (کیونکہ) وہ اُنکو اون کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے۔" یعنی مجرمین کی گرفتاری میں ملائکہ کو کسی قسم کی دشواری نہ ہوگی۔ صورت دیکھتے ہی وہ پہچانے جائینگے۔

ضحاک کہتے ہیں:۔ بسواد وجوھھم وزرقۃ عیونھم۔ (ہناد، عبد بن حمید) اون کی روسیاہی اور اون کی آنکھوں کا نیلگوں ہونا" بس یہی کھلی نشانیاں ہونگی کہ ملائکہ کرام اون کو پہچان لیں گے۔ کسی سے دریافت کرنے کی کچھ حاجت نہ ہوگی۔ **فقیر** عرض کرتا ہے کہ یہ تفسیر اس بنا پر ہے جبکہ سائل یعنی سوال کرنے والے فرشتے ہوں۔

سوال و عدم سوال کی توجیہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لایسألھم ھل عملتم کذا وکذا لانہ اعلم بذلك منھم ولکن یقول لم عملتم کذا وکذا۔ (ابن ابی حاتم) اون (مجرمین) سے یہ سوال نہ ہوگا کہ تم نے کیا ایسے ایسے گناہ کئے؟ کیونکہ اللہ سبحانہ تعالی کو بہ نسبت مجرمین کے خوب معلوم ہے کہ اونھوں نے ایسے ایسے گناہ کئے ہیں۔ البتہ یہ سوال ہوگا کہ ایسے ایسے کام تم نے کیوں کئے؟" یعنی نفس گناہ کی نسبت سوال کی حاجت

نہ ہو گی بلکہ یہ سوال ہو گا کہ گناہ کا باعث کیا تھا گویا حضرت ابن عباسؓ نے جواب لینے والا اللہ سبحانہ کو قرار دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ یہاں ایک اشکال در پیش تھا۔ وہ یہ کہ آیہ کریمہ فیومئذ لایسئل عن ذنبہ انس ولاجان میں سوال کی نفی ہو رہی ہے اور اس سے پیشتر سورہ حجر کے آخر میں ہے۔ فوربك لنسألنھم اجمعین۔ آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے اور اُن سے جواب لیں گے۔" یہ نفی و اثبات بظاہر عام افہام کے لئے موجب دشواری تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اوس کو بآسانی رفع فرما دیا کہ نفس گناہ کے باب میں کوئی سوال نہ ہو گا بلکہ باعث گناہ کیا تھا اور کس بنا پر ایسا جرم کیا اس کا سوال ہو گا۔ نفی ہے تو نفس گناہ کی بابتہ اور اثبات ہے تو باعث گناہ کے بارے میں۔ اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

دوسری توجیہ عکرمہؒ اور قتادہؒ نے اس کو دوسرے طریق سے حل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ روز قیامت بہت بڑا دن ہو گا۔ جو دنیا کے پچاس ہزار برس کے برابر ہو گا۔ اوس دن اہل محشر کو کئی مواقف در پیش ہوں گے۔ متعدد جگہ اون کو ٹھہرایا جائے گا۔ قبروں سے نکلنا ایک موقف ہے۔

میدانِ حشر کا ایک موقف ہے۔ حساب کا ایک موقف ہے۔ صراط پر سے گزرنے کا ایک موقف ہے۔ میزان عدل کا ایک موقف ہے جہاں اعمال تولے جائیں گے۔ نامۂ اعمال دیا جانے کا ایک موقف ہے وقس علیٰ هذا! اب مذکورہ اشکال خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ سوال نہ ہونا' یہ ایک موقف کا بیان ہے۔ اور سوال ہونا' دوسرے موقف کا حال ہے۔ سوال اور عدم سوال' ایک ہی موقف اور محل میں تسلیم کیا جائے تو یہ نا قابل فہم بات ہوتی جب ہر ایک کا محل جدا ہے تو کوئی اشکال نہیں۔ بہر حال اس آیہ کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ مجرمین کی شناخت اور اون کی گرفتاری میں کچھ دشواری نہ ہوگی۔ اون کی روسیاہی' اور نیلگوں آنکھوں سے صاف معلوم ہو جائیگا کہ کون مجرم ہے؟

مجرمین کی بے بسی یہی نہیں بلکہ مجرمین کی بے بسی اور غم و اندوہ کا جو عالم ہوگا اوس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ واویلا مچانا چاہیں گے اون کے منہ پر مہر لگادی جائے گی کہ دم نہ مار سکیں۔ اپنی مدد کے لئے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوں گے۔ اون کی آنکھوں پر مہر لگا دی جائیگی کہ کچھ دیکھ نہ سکیں۔ وہ کان لگائے رکھیں گے کہ اون کے لئے کوئی سفارش

کررہا ہے یا کیا؟ اون کے کان بند کردئے جائیں گے کہ کچھ سُن نہیں سکتے اب کیا سماں درپیش ہے کہ گونگے، اندھے، بہرے بن گئے ہیں کسی کی کچھ خبر نہیں سچ ہے دارالعمل دنیا میں بھی ان کا یہی حال تھا کہ قلب پر مہر تھی کوئی اچھی بات ان کے دل میں اُترتی نہ تھی سماعت پر بھی مہر تھی اور یہی حال بصارت کا بھی تھا کہ کوئی اچھی بات نظر نہ آتی تھی۔ ختم اللہ علی قلوبھم و علی سمعھم و علی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم۔ اون کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اب کچھ سمجھ نہیں سکتے اون کے کان پر مہر لگادی گئی ہے وہ سن نہیں سکتے۔ اون کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے وہ کچھ دیکھ نہیں سکتے صم بکم عمی فھم لا یعقلون۔ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ اب وہ کچھ بھی سمجھ نہیں سکتے۔" اللہ اکبر۔

یوخذ بالنواصی والاقدام کی تفسیر

فیوخذ بالنواصی والاقدام۔ اون کی پیشانی کے بال پکڑے جائیں گے۔ (اس طرح ان کو دوزخ کی طرف گھسیٹا جائے گا۔ اور کسی کی) ٹانگ پکڑ کر گھسیٹا جائیگا اس طرح ذلت و خواری کے ساتھ ہر مجرم دوزخ میں پہنچادیا جائیگا۔ اور کسی کے ساتھ یہ دونوں عمل ہوں گے یعنی پیشانی کے بال اور اوس کی ٹانگوں کو

پیٹھ کی طرف سے ملا کر پکڑا جائے گا جس سے اوس کی ہڈیاں پسلیاں ٹوٹکر چور چور ہوکر ایک حلقہ کی شکل پیدا ہو گی اور اوسی طرح اوس کو گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ نہ کوئی فریاد سنی جائے گی اور نہ کوئی اوسکو بچا سکیگا۔

فبأیّ آلاء ربکما تکذبان۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں اور کن کن آیات کی تکذیب کرتے رہو گے؟ ان پیش آئندہ باتوں سے قبل از قبل آگاہ کر دینا، اللہ سبحانہ کی بڑی نعمت ہے۔ اگر قلب دانا، چشم بینا، گوش شنوا حاصل ہے تو ان عنایات و الطاف کی قدر کی جائے اور وہ صورت اختیار کی جائے کہ ایسا روز بد دیکھنا نصیب نہ ہو۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ 5-43
بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ[1] ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ع 5-44 5-45

دوزخ ہے جس کو جھوٹ بتاتے تھے گنہ گار، چکریں کھاتے رہیں گے درمیان اوس (دوزخ) کے اور کھولتے پانی کے، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے پروردگار کی جھٹلاتے جاؤ گے؟

[1] انی یأنی إنی فهو آنٍ کقضی یقضی فهو قاضٍ حان و ادرک ...

(پ ۲۷ سورۃ الرحمٰن ۵۵) ع ۲/۱۲

کفار، اس حیات دنیا میں مرکر زندہ ہونے، سوال کئے جانے حساب لیا جانے اور اوس پر سزا و جزا پانے کے قائل نہ تھے۔ اون کو دوزخ اور اوس کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو اون کو ان امور کا ایقان نہ تھا طرح طرح کا تمسخر اور استہزاء کرتے تھے۔ کتاب اللہ کو جھٹلاتے، انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام کی تکذیب کرتے تھے۔ آج کفار بھی قبروں سے اوٹھائے گئے ہیں۔ فرشتے اون کو گرفتار کرکے دوزخ کی طرف گھسیٹ رہے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

انی الحمیم ای انتھی حرہ۔ (مختار) اس کا ماضی مضارع قضی یقضی کے وزن پر باب ضرب سے آتا ہے اور آنٍ بروزن قاضٍ اسم فاعل ہے۔ جس کے معنی ہیں وقت آگیا۔ اور پختہ ہوگیا۔ اور انی الحمیم محاورہ ہے یعنی چنگاری خوب سلگ گئی اور اوس کی سوزش انتہا کو پہنچ گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ غیر ناظرین اناہ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اوس کے پکنے اور پختہ ہونے کا انتظار نہ کرو۔ یعنی دعوتوں میں وقت سے پہلے پہنچ کر کھانا پکنے کا انتظار کرتے نہ بیٹھو کہ اس سے میزبان کو تکلیف پہنچتی ہے۔ بہر حال انیٰ کے معنی پکنے اور پختہ ہونے کے ہیں۔

واللہ اعلم

اب ان کا یہ حال ہے کہ چہرے سیاہ پڑ گئے ہیں۔ آنکھیں نیلی ہو گئی ہیں۔ زبان بند ہے۔ ایسی ذلت وخواری دامنگیر ہے کہ اوس سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں۔ ملائکہ کہتے ہیں کہ یہی تو وہ دوزخ ہے جس کا تم کو مدۃ العمر انکار رہا۔ پیغمبروں کی زبانی جتنی خبریں پہنچائی گئی تھیں ایک ایک کر کے اون سب کی تصدیق ہو رہی ہے اور ہر چیز کا تم کو مشاہدہ کرایا جا رہا ہے۔ کیفیت یہ ہو رہی ہے کہ کبھی تو دوزخ کا عذاب اور سوزش وتپش، کبھی بھوک پیاس کا یہ عالم کہ جاں بلب ہیں۔ فریاد کرتے ہیں تو اون کو کھَولتے ہوئے پانی کے پاس لایا جا رہا ہے جس کا یہ حال ہے کہ اگر اوس کا ایک قطرہ منہ میں گرے تو دماغ سے لیکر پاؤں تک جلنے لگے۔ چہرے کی تمام جلد اوس کی بھانپ سے گل کر پانی میں گر جائے۔ اور وہی پانی پینا پڑے۔

حمیمٍ آنٍ کی تفسیر کعب احبار کہتے ہیں:- آن وادمن اودیۃ جھنم یجتمع فیہ صدید اھل النار فیغمسون باغلالھم فیہ حتی تنخلع اوصالھم ثم یخرجون منھا وقد احدث اللہ لھم خلقا جدیدا فیلقون فی النار فذلک قولہ تعالی یطوفون بینھا وبین حمیم آن۔ (قرطبی) جہنم کی ایک وادی کا نام "آنٍ" ہے

جس میں اہل دوزخ کی پیپ جمع ہوتی ہے۔ دوزخی اوس میں غوطے کھائینگے
جس سے اون کے تمام جوڑ بند ٹوٹ جائیں گے۔ پھر اون کو وہاں سے نکالا
جائے گا تو اللہ سبحانہ اون کو پھر سابقہ حالت میں بطور جدید لوٹا دیگا پھر
یہاں سے نکال کر اون کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ (بس ان مجرمین کا
یہی حال رہیگا کہ کبھی دوزخ میں؛ اور کبھی حمیم آن میں اور پھر وہاں سے
دوزخ میں۔) یطوفون بینھا وبین حمیم آن کی بس یہی تفسیر ہے"
فبأی آلاء ربکما تکذبان۔ پھر اپنے رب کی کن کن آیات و
اقتدار کی تکذیب کرتے رہو گے؟

5-46 وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
5-47 5-48 تُكَذِّبٰنِ ۙ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
5-49 اور اوس کے لئے جو ڈرتا ہو اپنے رب کے آگے کھڑے ہونے سے دو جنتیں
(باغ) ہیں۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ جن میں بہت سی
شاخیں ہیں۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟"

لہ الفنن الغصن الغض الورق وجمعہ افنان ویقال ذلک للنوع

یہاں سے اون نعمتوں کا بیان شروع ہو رہا ہے جو عالم آخرت میں اہل ایمان کے لئے مہیا کی گئی ہیں۔ دنیوی نعمتوں کے بیان کے بعد اخروی نعمتوں کا بیان بہت دل آویز ہے جب دنیوی نعمتوں کا انکار نہیں ہو سکتا تو اخروی نعمتوں کا انکار بھی ایک بے معنی بات ہو گی۔

اوس عالم آخرت میں سب سے زیادہ کارآمد خوف خدا ہے اسی لئے اس کا بیان سب سے مقدم تر لایا گیا۔

خوف کے معنی | خوف کیا ہے؟ اس کے متعلق راغب اصبہانی لکھتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

من الشیئ وجمعہ فنون وقولہ ذواتا افنان ای ذواتا غصون وقیل ذواتا الوان مختلفہ (مفردات) شاخ جس پر تازہ پتے ہوں اوس کو فَنَن کہتے ہیں اسکی جمع افنان آتی ہے۔ نیز یہ لفظ کسی چیز کے اقسام پر بھی بولا جاتا ہے اوسکی جمع فنون آتی ہے۔ ذواتا افنان جو ارشاد باری ہے اوس کے معنی شاخوں والے باغ۔ اور بعض نے کہا کہ رنگ برنگ کے باغ " فقیر عرض کرتا ہے کہ افنان جمع ہے فَنَن کی تو اوس کے معنی شاخ اور ڈالی کے ہونگے۔ نیز افنان جمع آتی ہے فَنّ کی اور فنون بھی جمع ہے فنّ کی۔ گویا اس آیہ کریمہ میں دونوں احتمالات جاری ہو سکتے ہیں لیکن فَنَن کی جمع قرار دینا راجح ہے۔ واللہ اعلم۔

والخوف فی الاصل توقّع مکروہ عند امارۃ مظنونۃ او معلومۃ ویضادّہ الامن۔ خوف دراصل نام ہے کسی ناپسند چیز کا اندیشہ رکھنے کا جبکہ اوس کے قرینہ کے موجود ہونے کا گمان یا یقین ہو۔ "امن" اسکی ضد ہے۔

خوف خدا کے معنی

والخوف من اللہ تعالیٰ لا یراد بہ ما یخطر بالبال من الرعب کاستشعار الخوف من الاسد بل انما یراد بہ الکف عن المعاصی وتحرّی الطاعات ولذلک قیل لا یعدّ خائفا من لم یکن للذنوب تارکا۔ "خوف خدا سے" وہ رُعب مراد نہیں جو شیر کو دیکھنے کے بعد دل پر چھا جاتا ہے بلکہ انسان پر ایسی حالت طاری ہو کہ وہ گناہوں سے دور رہے اور طاعت کی تلاش میں لگا رہے یہی سبب ہے کہ جو شخص گناہوں کو نہ چھوڑتا ہو اوس کو خدا سے ڈرنیوالا نہیں کہا جاتا۔ اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے:- من رکب طاعۃ اللہ وترک معصیتہ۔ (ابن جریر) خائف وہ ہے جس نے اللہ کی طاعت اختیار کی اور اوس کی نافرمانی چھوڑ دی۔ نیز مجاہدؒ سے مروی ہے:- ھو الرجل یرید الذنب فیذکر اللہ تعالیٰ فیدع الذنب۔ خائف وہ شخص ہے جس نے کسی

گناہ کا ارادہ کیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کو یاد کرکے اوس ارادہ سے باز آیا"
کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گناہ سرزد ہوجانے کے بعد اوس کو سزا کا اندیشہ پیدا
ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے وہ اوس گناہ کو چھوڑ بیٹھتا
ہے۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں: ۔ ان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قرأ هذه الآية ولمن خاف مقام ربه جنتان
فقلت وان زنی وان سرق یا رسول اللہ فقال النبی علیہ
الصلاة والسلام الثانية ولمن خاف مقام ربه جنتان
فقلت وان زنی وان سرق فقال الثالثة ولمن خاف مقام
ربه جنتان فقلت وان زنی وان سرق قال نعم وان رغم
انف ابی الدرداء۔ (امام احمدؒ نسائیؒ طبرانیؒ حکیم ترمذیؒ ابن ابی
شیبہ وغیرہم) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیۂ کریمہ ولمن خاف
مقام ربه جنتان کی تلاوت فرمائی تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ
کیا وہ زنا کرے چوری کرے (پھر خدا سے ڈرے) تو کیا اوس کے لئے
بھی دو جنتیں ہیں؟ اس پر حضرت نبی اکرمؐ نے پھر وہی آیہ کریمہ دوبارہ
تلاوت فرمائی اور میں نے بھی دوبارہ وہی سوال کیا۔ یہ سن کر آپ نے

تیسری مرتبہ بھی وہی آیہ کریمہ پڑھی اور میں نے تیسری دفعہ بھی وہی سوال کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ہاں ہاں اگرچہ ابودرداء کی ناک گھسنی پڑے"

خلیفہ عباسی کا ایک واقعہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں گھر میں سو رہا تھا کہ خلیفۂ وقت کا چوبدار بلانے آیا وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ خلیفہ اور اون کی بی بی (زبیدہ خاتون) میں کچھ بحث آپڑی ہے۔ خلیفہ کہتا ہے کہ میں امام عادل ہوں جنت میں رہوں گا۔ بی بی کہتی ہے کہ تم خدا کے نافرمان ہو نافرمانوں کو جنت نہیں مل سکتی۔ اس پر امام محمدؒ نے دریافت کیا کہ امیرالمومنین! کبھی گناہ کے ساتھ آپ کو خوف خدا بھی آتا ہے؟ خلیفہ نے کہا کہ شدت کا خوف ہوتا ہے اس پر امام محمدؒ نے فرمایا ایسی حالت میں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے لئے دو جنتیں ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ آیت تلاوت کی جس سے یہ اختلاف دور ہو گیا۔ بعض اصحاب نے ایسا ہی واقعہ حضرت امام شافعیؒ کا بھی لکھا ہے۔ ممکن ہے آپ کو بھی ایسی صورت حال درپیش ہوئی ہو۔ بہرکیف خوف خدا کی بڑی اہمیت ہے۔ ؎

ظفر آدمی اوس کو نہ جانیئے گا — وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی   جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

شانِ نزول عطاء بن یسار رحمہ فرماتے ہیں :- ان ابا بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر ذات یوم وفکر فی القیامۃ والموازین والجنۃ والنار وصفوف الملائکۃ وطی السماوات ونسف الجبال وتکویر الشمس وانتشار الکواکب فقال وددت انی کنت خضرا من ھذہ الخضرۃ تاتی علی بھیمۃ فتأکلنی وانی لم اخلق فنزلت (ابن ابی حاتم ابو الشیخ) حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن قیامت، میزان، جنت و دوزخ، فرشتوں کی صفوں، آسمانوں کے طے کر دیے جانے اور پہاڑوں کے اڑا دینے، آفتاب کے لپیٹ دئے جانے اور ستاروں کے جھڑ پڑنے کا حال یاد کر کے فرمایا مجھے تو یہ پسند تھا کہ میں گھاس کا تنکہ ہوتا جس کو کوئی جانور کھا لیتا اور بس۔ کاش (انسان بنا کر) پیدا نہ کیا جاتا۔ تو اس موقع پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی ''

اسی طرح کلمات خوف اکابرین سے مختلف اوقات میں صادر ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر حضرت خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضہ نے

فرمایا:۔ لیت امی لم تلدنی۔ کاش! میں ماں کے پیٹ سے انسان بن کر پیدا نہ ہوتا۔ کاش میں بکری کا بچہ ہوتا جس کو کوئی بھیڑیا کھا لیتا اور اس طرح سارا قصہ ختم ہو جاتا۔ مولانا روم نے ان دونوں بزرگوں کے کلمات خوف کو اس طرح نظم فرمایا ہے:۔

کاشکے مادر نزادے مر مرا یا مرا گرگے بخوردے در چرا

مقام رب کی تفسیر ابن زیدؒ فرماتے ہیں:۔ مقامہ حین یقوم العباد یوم القیامۃ۔ (ابن جریر) "مقام رب" سے وہ موقف مراد ہے جہاں اہل محشر (اپنے اعمال کا حساب دینے کے لئے) کھڑے رہیں گے۔" جس کی تعبیر دوسری جگہ اس طرح فرمائی گئی ہے:۔ یوم یقوم الناس لرب العٰلمین جس دن تمام لوگ رب العالمین کے حضور میں (حساب دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے۔" منتظر رہیں گے کہ پروردگار عالم کے دربار سے آج کیا فرمان صادر ہوتا ہے؟ کس کو کیا معلوم ہے کہ کیا ہوگا ان حالات میں جتنا اندیشہ بھی کیا جائے کم ہے۔ ارشاد باری یہ بھی ہے:۔ افمن ھو قائم علی کل نفس بما کسبت۔ بھلا اوس کا تصور کرو جو ہر شخص کی تاک میں کھڑا دیکھ رہا ہے کہ اوس نے کیا کیا کام کئے؟ فی الواقع یہ منظر

نہایت دہشتناک ہوگا۔ اگر اس سے امن مطلوب ہے تو اوس کی صورت یہی ہے کہ اوس دن کا اندیشہ آج یہیں سے کیا جائے اور یہیں سے طرز زندگی ایسا بنایا جائے کہ اوس دن پشیمانی نہ ہو۔

جنّتان کی تفسیر "جنّتان" کی تفسیر میں مفسرین کرام کی تصریحات حسب ذیل ہیں:—

(۱) ایک جنت خود اوس جنتی شخص کے رہنے اور اپنے دوست احباب سے ملنے کے لئے۔ اور دوسری اوس کے اہل خانہ اور خدم وحشم کے لئے۔ یعنی مردانہ منزل و زنانہ محل جدا جدا۔

(۲) دو باغ ہوں گے۔ ایک جنتی کے محل سے باہر اور ایک محل کے اندر یعنی خانہ باغ۔

(۳) دو مستقل قیام گاہیں۔ ایک وہ جہاں عموماً اقامت رہیگی یعنی دار المقامہ دوسرا تفریح گاہ جہاں بطور تفریح و سیر قیام ہوتا ہے۔

ع:— کبھی اس گھر میں رہتے ہیں کبھی اس گھر میں رہتے ہیں

اس کا مقابل مجرمین کی قیام گاہ ہے کہ یطوفون بینھا و بین حمیم آن کہ اون کی گردش دوزخ کی آگ اور وہاں کے کھولتے پانی کے

درمیان رہیگی۔

(۴) ایک روحانی اور دوسری جسمانی۔ رہی یہ بات کہ ایک ایک جنتی کو دو دو جنتیں کیوں اور کس بنا پر ملینگی؟ اوس کی تشریح یوں ہوسکتی ہے۔

۱۔ ایک جنت حسن اعتقاد کا صلہ اور دوسری حسن عمل کا بدلہ۔

۲۔ ایک کارہائے خیر کرنے پر اور دوسری برائیوں سے دور رہنے پر۔

۳۔ ایک جزائے عمل کے طور پر دوسری محض فضل کی بنا پر۔

۴۔ ایک جنت خدا سے ڈرنے والے بنی آدم کے لئے' دوسری اسی صفت کے بنی جان کے لئے۔

کیا جن بھی جنت میں ہوں گے؟ کیا جن بھی جنت میں ہوں گے؟ اس میں بحث ہے۔ ظاہر سیاق سے جیسا کہ اس سورۃ میں نیز دیگر مقامات میں جن وانس دونوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور دونوں کو مکلف قرار دیا گیا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مومنین بنی آدم کی طرح' مومنین بنی جان بھی جنت میں جائیں گے۔ قرآن کریم میں ثواب و عقاب کا جس قدر بیان ہوا ہے وہ دونوں گروہ سے متعلق ہے مگر صاحب بحر العلوم نے یہ حدیث نقل کی ہے:۔ ان مؤمن الجن لھم ثواب و علیھم عقاب ولیسوا من

اهل الجنۃ مع امۃ محمد هم علی الاعراف حائط الجنۃ تجری فیه الانهار و تنبت فیه الاشجار و الثمار۔ قوم جن کے مومنین کو ثواب ہوگا اور اون کے دوسرے گروہ کو عذاب بھی ہوگا۔ لیکن ثواب پانے والے آنحضرتؐ کی امتہ مرحومہ کے ساتھ جنت میں نہ ہوں گے اون کا مقام اعراف پر ہوگا جو جنت کا احاطہ ہے۔ وہاں بھی نہریں بہتی ہوں گی اور اوس میں شجر و ثمر سب کچھ ہوں گے" علامہ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی نسبت لکھا ہے۔ منکر جداً۔ حد درجہ منکر ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی جان ثواب و عقاب کا تعلق ضرور ہے مگر اوس کی کیفیت و نوعیت اور ہوگی یا اوس کا محل بنی آدم کی جنت سے الگ ہوگا جیسا کہ دنیا میں بنی جان کی بود و باش بنی آدم سے ہٹ کر ہے واللہ اعلم

اس مسئلہ پر حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ نے "سورۂ احقاف" کی آیہ کریمہ یقومنا اجیبوا داعی اللہ کی تفسیر صفحہ ۱۹۴ میں محققانہ بحث فرمائی ہے۔ شائقین مستفید ہو سکتے ہیں۔

جنتان کی وسعت عیاض بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مرفوع منقول ہے جس سے ہر جنت کی وسعت کا پتہ چلتا ہے جو یہ ہے:۔ ان عرض کل واحدۃ منهما مسیرۃ مائۃ عام ان

دونوں میں سے ہر جنت کا عرض اتنا ہوگا جتنی کہ ایک سو سال کی مسافت"
جو جنت اس قدر عریض ہوگی اسی سے اوس کے طول کا اندازہ بھی کیا
جا سکتا ہے۔

جنّتان کی تفسیر عارفین کے نزدیک

یہاں تک تفسیر ارباب شریعت کی تصریحات
کے بموجب تھی۔ اہل عرفان سے بھی کچھ فیضان
حاصل کرنا سعادت سے خالی نہ ہوگا۔ استاذ قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے
ہیں:۔ جنّۃ معجّلۃ ھی لذّۃ المناجات والتلذذ بحقائق
المشاھدات ومایرد علی قلوبھم من صدق الواردات و
جنّۃ مؤجّلۃ وھی الموعودۃ فی الاٰخرۃ (اون دو جنتوں میں سے)
ایک جنت تو فوری ہے (جو خدا سے ڈرنے والے کو اسی عالم میں دیجاتی
ہے) وہ مناجات کی لذت ہے (جو دعا کرنے والے کو التجا کرتے وقت حاصل
ہوتی ہے) اور حقائق کے مشاہدات کی لذت نیز خائفین پر جو واردات
قلبی گذرتے ہیں اوس کا لطف تو کچھ اون ہی کے دل سے پوچھنا چاہیے۔ ع

لطف ایں مے تو نشناسی بخدا تا نہ چشی

اور دوسری جنت وہ ہے جو کچھ دیر سے بعد کو حاصل ہوگی جس کا دار آخرت میں وعدہ
کیا گیا ہے"

خوفِ مخلوق وخالق میں فرق | خوف مخلوق کا بھی ہوتا ہے اور خوف خالق کا بھی۔ مگر نتیجہ اور تاثیر ہر ایک کی جدا ہے مخلوق کے خوف کا لازمہ یہ ہے کہ خائف (ڈرنے والا) مخوف منہ (جس سے ڈرتا ہے اوس) سے بھاگتا ہے اور خوف خدا کا لازمہ یہ ہے کہ ڈرنے والا اپنا تعلق ماسوٰی سے توڑکر رب الارباب سے جوڑتا ہے۔ اوس کو سبق ہی یہ پڑھایا گیا ہے فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ۔ (اللہ سے ڈر کر اللہ ہی کی طرف دوڑکر آؤ" ادھر اودھر نہ جاؤ۔ جس بندے کی یہ صفت ہے اوس کو دوہری نعمتیں کیوں نہ ملیں گی؟ اسی لئے ارشاد ہوا وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ۔ جو اپنے رب کے آگے کھڑے کئے جانے سے ڈرتا ہو۔ (یعنی کھڑے کئے جانے سے پیشتر ہی باختیار خود حاضر دربار ہوتا رہا ہو) اوس کے لئے دو جنتیں ہیں"

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ پھر اے گروہ جن و انس! تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کروگے؟ کیا ان جنتوں کا بھی انکار کروگے جب کہ وہ تمھاری آنکھوں کے سامنے ہوں گی؟

ذواتا افنان کی تفسیر | ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ۔ وہ دونوں باغ بہت سی

شاخوں والے ہوں گے۔" افنان جمع ہے فَنَن کی۔ جو پتلی پتلی نرم شاخ کو کہتے ہیں۔ ایسی شاخیں کسی ٹہنی سے پھوٹتی ہیں۔ ان ہی شاخوں پر پتے، پھول پھل لگتے ہیں۔ ایسی شاخیں جتنی زیادہ ہونگی اوس درخت کا برگ و بار اور سایہ بھی زیادہ ہوگا۔ یہاں بالاختصار کنایہ کے طور پر یہ بتانا منظور ہے کہ ان باغات کی نرم شاخیں بہ کثرت ہوں گی۔ جس سے پتوں، پھلوں، اور پھولوں کی کثرت لازمی ہوگی۔ پتوں سے رونق، اور سایہ، پھلوں اور میووں سے لطف ذائقہ، اور پھولوں سے خوشبو اور شامہ نوازی، یہ پورا بیان نہایت اختصار سے صرف ایک کلمہ ذواتا افنان میں جس خوبی کے ساتھ آیا ہے وہ ارباب ذوق سے پوشیدہ نہیں۔

ذواتا افنان کی دوسری تفسیر دوسری تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے یوں مروی ہے کہ افنان جمع فنؑ کی ہے جس کے معنی یہ ہیں:۔ ذواتا انواع واشکال من الثمار۔ یعنی وہ دونوں باغ، مختلف اقسام اور مختلف اشکال کے میووں سے لدے ہوں گے۔"

فبأیّ آلاءِ ربکما تکذّبان۔ پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ کیا ان باغات، اور اون کی شاخوں اور شاخوں پر پیدا ہونے والے پتوں،

پھلوں، پھولوں کا بھی انکار کرو گے؟

فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ○ 55-50 55-51

اون دونوں میں دو چشمے بہتے ہیں، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟

عیون جنت کا بیان | دو چشمے اون دو باغات میں جو بہتے ہوں گے اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہر باغ میں ایک ایک چشمہ بہتا ہو۔ دوسری یہ کہ ہر باغ میں دو چشمے جاری ہوں۔ مفسرین کرام نے اسی دوسری صورت ہی کو ترجیح دی ہے جیسا کہ ہر ایک خائف (ڈرنے والے) کے لئے دو دو باغ ہوں گے اسی طرح ہر ایک باغ میں دو دو چشمے جاری ہوں گے۔ نیز یہ کہ مجرمین کے بیان میں تھا۔ یرسل علیکما شواظ من نار ونحاس۔ تم دونو (جن وانس) پر چھوڑے جائیں گے شعلے آگ کے خالص اور دھواں ملے ہوئے" اس کا تقابل بھی یہی چاہتا ہے کہ یہاں بھی اوسی مناسبت سے ایک ایک باغ میں دو دو چشمے جاری کرنا مراد ہے۔ واللہ اعلم

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ ان میں سے ایک چشمہ کا نام "تسنیم" ہوگا اور دوسرے کا "سلسبیل"۔ جن کا پانی نہایت شیریں صاف، مقطر ہوگا۔

عطیہ عوفیؒ کہتے ہیں:۔ عینان احدہما من ماء غیر آسن

والاخری من خمر لذۃ للشاربین۔ دو چشمے ہوں گے جن میں سے ایک چشمہ تو پانی کا ہوگا جو کبھی سڑنے والا نہ ہوگا۔ دوسرا چشمہ شراب (طہور) کا ہوگا جس کے پینے والوں کو بے مثال لطف ملتا ہوگا"

یہ بھی لکھا ہے کہ دونوں چشمے پانی کے ہوں گے۔ لیکن اون کا بہاؤ اوس جنتی شخص کی مرضی کے تابع ہوگا۔ اگر یہ چاہے تو پانی مسک کے ٹیلوں سے اتر کر نیچے بہتا آئے۔ یا نیچے سے چڑھ کر اوپر کو پہنچے۔ جس طرح ٹانکی وغیرہ میں یہاں پانی کو اوپر چڑھا کر جمع کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں:۔ فیھما عینان تجریان لمن کانت عیناہ فی الدنیا تجریان من مخافۃ اللہ تعالی۔ اون دونوں باغوں میں "دو چشمے اون لوگوں کے لئے بہتے ہوں گے جن کی آنکھیں دنیا میں اللہ تعالی کے خوف سے بہتی تھیں":۔

براں از دو سرچشمۂ دیدہ جوئے ورآلائشے داری از خود بشوئے
نریزد خدا آبروئے کسے کہ ریزد گناہ آب چشمش بسے

فبای آلاء ربکما تکذبان۔ پھر اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ کیا ان چشموں کو بہتے ہوئے دیکھ کر بھی اون کی تکذیب کر سکو گے؟

۵۲،۵۴ تا ۵۵

حاشا و کلا۔ آگے اوس پیداوار کا بیان ہے جو اس پانی سے ہوگی۔

فِيهِمَا مِن كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا 55-52

تُكَذِّبَانِ ۝ اون دونوں جنتوں میں ہر طرح کے میوے دو دو قسم کے 55-53

ہوں گے، پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

من كل فاكهة زوجان کی تفسیر

ہر میوہ دو قسم کا اس طرح ہوگا کہ ایک قسم تو وہی جو اوس کی صورت، ذائقہ، خوشبو، خاصیت، دنیا میں معروف و مشہور تھی جس کو سبھی جانتے ہیں۔ دوسری قسم اوس سے جداگانہ بالکل نرالی۔ صورت دیکھنے سے تو معلوم ہوگا کہ یہ وہی معروف میوہ ہے جس کو ہم دنیا میں دیکھتے اور اوس سے لطف اندوز ہوتے تھے مگر جب اوس کو جنتی کھائیں گے تو پتہ چلیگا کہ یہ کوئی چیز ہی دوسری ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:۔ مالاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کے کان اوس سے آشنا ہوئے اور نہ کسی کے دل میں کبھی خیال تک گزرا کہ یہ میوہ، اس ذائقہ اور اس خوشبو کا بھی ہوتا ہے جس کے خواص ایسے ہیں۔

یہ تفسیر بھی کی گئی ہے:۔ رطب و یابس ولا یقصر یابسه عن

رطبة فی الفضل والطیب۔ ترا و خشک (ہر میوے کے دو صنف ہونگے) وہاں کا خشک میوہ بھی وہاں کے تازہ میوے سے برتری اور خوشبو میں کسی طرح کم نہ ہوگا"

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ما فی الدنیا ثمرة حلوة ولا مرة الا وھی فی الجنة حتی الحنظل (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) دنیا کا کوئی میوہ ایسا نہیں جو جنت میں نہ ہو خواہ وہ شیریں ہو یا تلخ، یہاں تک کہ اندرائن بھی ہوگا" مگر دوسری روایت میں اسقدر اضافہ ہے الا انه حلو (بجز) مگر وہاں کا اندرائن بھی شیریں ہوگا" اصل یہ ہے کہ جنت کی جس قدر پیداوار ہے وہ حلاوت طاعات ہی کا ثمرہ ہے لہذا اس سے جو چیز بھی پیدا ہوگی وہ شیریں خوش ذائقہ ہوگی۔ ارشاد باری ہے:۔ وتلك الجنة التی اورثتموھا بما کنتم تعملون یہ وہی جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے، بدلہ ہے ان اعمال کا جو تم (دنیا میں) کرتے تھے"

فبای آلاء ربکما تکذبان۔ پھر تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ کیا ان فواکہ اور ان کے اصناف کا بھی انکار کر سکو گے؟

اب ان ثمرات سے لطف اندوز ہونے والوں کا حال سن لیجئے۔

مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۚ وَجَنَا 55-54

الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ○ (اہل جنت 55-55

ایسے عالی قدر) فرش پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جس کا استر تک دبیز

ریشم کا ہوگا۔ اور دونوں باغات کے میوے اُن سے قریب (بلکہ

پاس ہی) ہوں گے۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

جو لوگ قیامت میں اللہ سبحانہ کے حضور میں کھڑے ہوکر حساب

دینے سے ڈرتے تھے اور اسی خوف کے پیش نظر، دنیا میں ہر کام خداوند

تعالیٰ شانہ کی مرضی کے مطابق انجام دیتے رہے اسی سعی پیہم میں اپنی

عمر ختم کی اور مدۃ العمر بندے بنے رہے۔ آج اون خائف بندوں کی

شان یہ ہے کہ مذکورہ باغات میں، ایسے اعلیٰ فرش پر شاہانہ انداز سے

تکیہ لگائے ہوئے خداوند تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کا نظارہ کرتے ہونگے

اہل جنت کا فرش اُن جنتیوں کے لئے اعلیٰ درجہ کے جو فرش انواع و

اقسام کے بچھائے جائیں گے۔ اور جنت کو ان کے لئے سجایا جائے گا۔

اوس فرش کی ایک صفت یہ ہوگی کہ اوس کا استر اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کے

دبیز ریشم کا ہوگا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا:۔ اخبرتم بالبطائن
فکیف بالظھائر (حاکم وغیرہ بروایت صحیحہ) تم کو صرف استر کی اطلاع
دی گئی ہے اوس فرش کا ابرا کیسا ہوگا؟ ابن جبیرؒ نے کہا:۔ من نور
جامد۔ جمے ہوئے نور کا ہوگا" اور ایک روایت یہ ہے:۔ من نور
یتلألأ۔ چمکتے ہوئے نور کا ہوگا" حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ البطائن
ھی الظھائر۔ جو استر ہوگا ابرا بھی اوسی کا ہوگا" ابن عباسؓ نے
فرمایا:۔ ذلك مما قال الله تعالی فلا تعلم نفس ما اخفی لھم
من قرۃ اعین۔ اس کا شمار اُن چیزوں میں ہے جس کی نسبت ارشاد
خداوندی ہے کہ اہل جنت کے لئے جو تحفظات دئے گئے ہیں اون کو کوئی
نہیں جانتا"

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ فرش جنت کا یہ حال ہے کہ اوس کی
تفصیل کسی کو معلوم نہیں تو اہل جنت کے استعمال کے پارچے اور خود جنتیوں کا
لباس کیا ہوگا اور کیسا ہوگا؟ کوئی کیا بتا سکتا ہے بجز اس کے کہ جس حد تک
منجانب اللہ علم کرایا گیا ہو۔

وجنا الجنتین دان کی تفسیر | وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۔ اُن

دونوں باغات کے میوے جنتیوں کے قریب ہی ہوں گے۔" ابن عباسؓ
فرماتے ہیں:۔ تدنوا الشجرة حتى يجتنيها ولي الله تعالى ان شاء
قائما وان شاء قاعدا وان شاء مضطجعا۔ خود درخت جنتیوں سے
اتنے قریب ہوتے رہیں گے کہ اللہ کے محبوبین چاہیں تو کھڑے کھڑے
اون کا میوہ توڑ لیں اور اگر چاہیں تو بیٹھے بیٹھے بلکہ لیٹے لیٹے۔"
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو
جھٹلاؤ گے۔" کیا اہل جنت کے فرش کی تکذیب کرو گے یا اوس کے استر کی
یا ابرے کی یا شاخہائے جنت کی یا اون کے میووں کی یا ہوا کے جھونکوں
کے ساتھ اون کے اس طرح قریب ہونے کی؟

فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ 55-56
وَلَا جَانٌّ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ ان میں نیچی نگاہ والیاں 55-57
ہیں جن سے ان اہل جنت سے پیشتر قربت نہ کی کسی انسان نے اور نہ
کسی جنی نے" پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟"

طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب | سابقہ آیات میں فيهما عينان اور
فيهما من كل فاكهة ضمیر تثنیہ لائی گئی تھی اوس کے برخلاف یہاں

۵۵ (رحمٰن) ۵۶، ۵۷، ۵۸

فیھن کی ضمیر جمع مونث اس اعتبار سے ہے کہ ہر خائف کے لئے اللہ سبحانہ نے دو دو جنتیں مہیا فرمائی ہیں اور خائفین کا گروہ عظیم ہوگا لہذا جنتیں بھی بحیثیت مجموعی بکثرت ہوں گی نیز اوپر کی آیۃ کریمہ میں متکئین بصیغہ جمع ارشاد ہوا تھا جس میں خائفین کی کثرت کی طرف اشارہ تھا۔ ان ہر دو اعتبارات سے فیھما کی جگہ یہاں فیھن کہنا ہی مناسب تر ہے۔ واللہ اعلم

قاصرات الطرف کی تفسیر | قاصرات الطرف کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ قاصرات الطرف علی ازواجھن لا یرون غیرھم واللہ ماھن متبرجات ولا متطلعات (ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم بیہقی) اون عورتوں کی نظریں صرف اپنے ہی شوہروں کو دیکھتی ہوں گی الخ۔ مجاہدؒ اور حضرت سیدنا امام زین العابدینؓ سے بھی ایسی ہی تفسیر مروی ہے ۔ یہ صفت اون کی طبعی ہونے کا ثبوت اس روایت سے بھی ملتا ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے شوہر کو دیکھ کر یہ کہتی ہوگی:۔ وعزۃ ربی ماارٰی فی الجنۃ شیئا احسن منك فالحمد للہ الذی جعلك زوجی وجعلنی زوجك ۔ میرے پروردگار کی عزت کی قسم کہ ساری جنت میں مجھے آپ سے بڑھ کر کوئی چیز حسین تر نظر نہیں آتی لہذا خدا کا

شکر ہے جس نے آپ کو میرا جوڑا اور مجھے آپ کا جوڑا بنایا" مطلب یہ کہ اہل جنت مرد ہوں یا عورتیں اپنے اپنے حسن و جمال ذاتی میں گو ایک دوسرے سے بڑھے چڑھے ہوں کیوں کہ مدارج اعمال متفاوت ہیں مگر ہر شخص کو ایسا مناسب و موزوں جوڑا دیا گیا ہے کہ وہ دوسرے کے ساتھ وہ مناسبت و موزونیت نہیں رکھتا اب نظر دوسری طرف کیوں کر جا سکتی ہے۔

لم یطمثھنّ انس کی تفسیر لم یطمثھنّ انس قبلھم ولا جانّ۔ (اون عورتوں کی ایک صفت یہ بھی ہو گی کہ اون کو اس سے پیشتر نہ کسی انسان نے چھوا ہو گا اور نہ کسی جنّ نے" گویا یہ قاصرات الطرف کی تفسیر یا صفت کاشفہ ہے کہ جب اون کو کسی نے دیکھا ہی نہیں اور نہ اونھوں نے کسی کو دیکھا تو اون کو چھونا ہاتھ لگانا اور اُن سے قربت کرنا درکنار ہی رہا۔ انسان تو انسان بلکہ کسی جن کے لئے بھی اسکی نوبت نہ آسکی۔

نساء جنت سے مراد یہاں عورتوں سے مراد حورِعین ہو تو لم یطمثھنّ انس قبلھم ولا جانّ اون پر پوری طرح صادق ہے کہ اون کو اب تک نہ کسی انسان نے چھوا اور نہ کسی جن نے، لیکن نساء دُنیا

مراد لی جائیں تو اُن پر یہ ارشاد اس اعتبار سے صادق ہوگا کہ حیات دنیا کے بعد آخرت میں جو ان کی نشأت ثانیہ ہوگی اس نشأت ثانیہ میں اس سے پیشتر ان کو کوئی چھوا نہ ہوگا۔ گو حیات دنیا میں ایسا نہ ہوا ہو۔ کیوں کہ ظاہر ہے کہ دنیا میں بعض عورتوں کو نکاح ثانی کی بھی نوبت آئی تھی حقیقت یہ ہے کہ یہاں دونوں مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۵۵ ر۱ — ۳۶)

ارشاد باری ہے:۔ انا انشأناهن انشآء فجعلناهن ابكارا عربا اترابا۔ ہم نے ان عورتوں کو (دوبارہ) بطور جدید اٹھایا اُن سب کو باکرہ، شوہروں کی محبوبہ اور ہم سن بنانے کا تصفیہ کیا ہے۔ چنانچہ دنیا کی عورتیں، جنت میں ان ہی اوصاف کی ہوں گی۔

(۵۵ ر۲ — ۱۶)

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ کیا ان نعمتوں کا انکار بھی کر سکو گے؟ ولا بشیء من نعمك نكذب ربنا فلك الحمد۔ پروردگار ہم آپ کی کسی بھی نعمت کے منکر نہیں ہو سکتے۔ ساری تعریفیں آپ ہی کی شایانِ شان ہیں۔

كأنهن الياقوت والمرجان کی تفسیر

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ 58 وَالْمَرْجَانُ۔ (ان کا رنگ اتنا صاف اور نکھرا ہوا ہوگا کہ دیکھتے ہی

بادی النظر میں) گویا وہ لعل اور گلی ہیں یعنی سرخ وسپید صاف رنگ، روشن رخ، ضیا پاش، نورانی کہ در و دیوار جنت اون کی تابناکی سے جگمگاتے رہیں گے۔"

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۔ پھر اپنے پروردگار کی کن کن 5-59
نعمتوں کو جھٹلائے جاؤ گے؟ کیا ان نعمتوں کا بھی انکار کرو گے؟

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۚ فَبِاَیِّ

اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ کیا بدلہ ہے نیکی کا سوا نیکی کے، پھر 5-60
اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ 5-61

احسان کے معنی "احسان" کے دو معنی ہیں۔ ایک حسن معاملہ خالق کے ساتھ ہو یا مخلوق کے ساتھ۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ الاحسان ان یعم ولا یخص فیکون کالمطر والریح والشمس والقمر (روح البیان) احسان یہ ہے کہ عام طور پر ہو اس میں کسی کی تخصیص نہ ہو۔ جیسے بارش اور ہوا، اور سورج اور چاند" کہ ان کا فیضان کسی جگہ اور شخص کے ساتھ مختص نہیں ہر جگہ اور ہر شخص بلکہ ہر چیز کے لئے عام ہے۔ فیما بینہ وبین اللہ ہو۔ یا فیما بینہ وبین النفس۔ یا فیما بینہ

و بین الخلق - ہر کسی کے ساتھ معاملہ اچھا ہو - کوئی انسان اس صفت کے ساتھ موصوف ہو تو اوس کو امید رکھنی چاہیئے کہ اوس کی جزا بھی دوسری طرف سے ایسی ہی ملیگی - یہ نہیں ہوسکتا کہ خود تو کسی کے ساتھ سلوک اچھا کرے اور وہ اوس کی جزا بری دے - اگر کسی خبیث کی طرف سے بری جزا کبھی مل بھی جائے تو اللہ سبحانہ سے امید ہے کہ وہ اسکی بہترین جزا اپنے فضل و کرم سے مرحمت فرمائیگا -

مومن و کافر سب اس کے مخاطب ہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں :- انزل اللہ علی ھذہ الآیۃ سجلۃ فی سورۃ الرحمٰن للکافر والمسلم ھل جزاء الاحسان الا الاحسان - (ابن عدی، ابوالشیخ، ابن مردویہ، بیہقی دیلمی، عن ابن عباسؓ) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سورۂ رحمٰن کی اس آیۂ کریمہ میں کافر ہو یا مسلم ہر ایک کے لئے ایک موثق سند یہ نازل فرمائی ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا "

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا :- ھل جزاء من انعمت علیہ بالتوحید الا الجنۃ - (ابن النجار عن علیؓ)

جس کسی کو ہماری طرف سے نعمت توحید نصیب ہوئی اوس کی جزا جنت سے کم نہیں ہو سکتی "۔ اسی مضمون کی روایات، ابن ابی حاتم ابن مردویہ بیہقی حکیم ترمذی، بغوی، دیلمی، عبد بن حمید، ابن المنذر وغیرہم نے ابن عمر، جابر، انس، ابن عباس، عکرمہ، حسن بصری رضی اللہ عنہم سے نقل کی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ احسان کی بے شمار صورتیں ہو سکتی ہیں لیکن ان میں اہم اور مقدم تر یقین توحید اور اوس کا اقرار ہے کہ انسان اللہ سبحانہٗ کی وحدانیت کا یقین رکھے اور اس کا اقرار کرے شرک سے بیزار اوس سے دور رہے۔ شرک جلی کو ترک کرے اور شرک خفی و اخفیٰ سے دور رہنے کی امکان بھر کوشش کرتا رہے۔ یہ اعتقاد رکھے کہ ساری کائنات میں لائق پرستش اُسی وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات واحد ہے اوس کے سوا اور کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں۔ دنیا و آخرت میں اوسی کا حکم جاری و ساری ہے۔ جب یہ خیال پختہ ہو جائے گا تو اوس کے تمام کام درست ہو جائیں گے اور احسان کا دروازہ اوس پر کھل جائیگا۔ اب وہ جو عمل بھی اس اعتقاد کے تحت کریگا وہ اسی دائرۂ احسان میں ہوگا۔ ایسی حالت میں اس کے ساتھ بھی ہر طرف سے جو سلوک ہوگا احسان ہی کا

ہوگا۔ اور یہ سلسلۂ احسان اوس کو جنت میں پہنچائے بغیر نہ رہ سکیگا۔

قتادہؒ کہتے ہیں : ۔ عملوا خیرا فجزوا خیرا۔ (ابن جریر)

ان لوگوں نے عمل خیر کیا تو اون کو جزا بھی خیر ہی کی دی گئی" یعنی دنیا میں انھوں نے جو کام کیا وہ خیر ہی خیر تھا تو آخرت میں اون کو جو جزا ملیگی وہ بھی خیر ہی خیر ہوگی۔ بہر حال یہ آیۂ کریمہ ایسی جامعیت رکھتی ہے اور ایسا ضابطہ حیات بتاتی ہے کہ عقل و نقل، تجربہ و عمل ہر طرح سے اس پر غور و فکر کرو تو اس کی حقانیت کا ہر پہلو روشن سے روشن تر ہی نظر آئیگا۔ مسلم اور غیر مسلم ہر ایک کے لئے صلائے عام ہے کہ اس پر غور کرے اور خوب غور کرلے اس کے بعد اس کی مرضی کہ وہ جس پہلو کو چاہے اختیار کرے۔

احسان کے دوسرے معنی "احسان" کے دوسرے معنی وہ ہیں جو حدیث جبرئیلؑ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائے : ۔

ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك۔ (بخاری و مسلم عن عمر بن الخطابؓ) تم اللہ سبحانہ کی عبادت اس طرح کرتے رہو گویا کہ تم اوس کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم کو ایسی دید میسر نہیں تو (کم از کم یہ حقیقت تو

صوفیۂ کرام اس آیۂ کریمہ کے یہی معنی لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اس خیال کو پختہ کرے کہ اللہ جل شانہ ہردم وہرآن اوس کے ساتھ ہے اور یہ اپنا ہر کام اوس کو دیکھتے ہوئے کر رہا ہے۔ اس حالت میں انسان کا جو کام بھی ہوگا ممکن نہیں کہ منشائے ربانی کے خلاف ہو۔ یہ جو بھی کرے گا اوس کی عین مرضی کے مطابق ہی کرے گا۔ یا کم ازکم یہ یقین کامل رکھے کہ اللہ سبحانہ کی نظر اوس پر لگی ہوئی ہے۔ وہ کسی وقت اس سے غافل نہیں ایسی حالت میں بھی انسان خواہ وہ کوئی ہو ممکن نہیں کہ کوئی عمل اوس کے خلاف منشا کر سکے۔ جب انسان اپنا ہر کام اس اعتقاد اور یقین کے ساتھ کیا کرے اور خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانتا رہے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ بھی اوس پر ہمیشہ نظر کرم فرماتا رہیگا اور ہر عمل کی بہترین جزا سے بہرہ یاب فرمائے گا اور سب سے بہترین جزا رویت حق تعالیٰ سبحانہ ہوگی۔ کیونکہ مدۃ العمر وہ اسی طرح عبادت کرتے رہے گویا وہ اوس کو دیکھ رہے تھے تو یہاں اب حقیقی رویت سے سرفراز ہیں ذٰلک ھو الفوز المبین۔

فبأیّ آلاءِ ربکما تکذبان۔ تو (اے گروہ جن وانس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ کیا اس نعمت عظمیٰ کے انکار و تکذیب کی بھی

تمھارے لئے کوئی گنجائش ہے؟ ہرگز نہیں۔

5-62
5-63
5-64
5-65

62. وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَانِ 63. فَبِأَيِّ آلاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ
64. مُدْهَامَّتَانِ 65. فَبِأَيِّ آلاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ

اور دو باغ ہیں، پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ گہرے سبز سیاہی مائل، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟"

ایک سوال کا جواب یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ یہ دو باغ کن کے لئے ہیں؟ اس کا جواب دو طرح ہے۔ ایک یہ کہ اوخیص مقربین بارگاہ کیلئے جن کے لئے پہلے دو باغ تھے یعنی وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ۔ جو اپنے رب کے آگے کھڑے کئے جانے سے ڈرتے تھے اون کے لئے وہ دو باغ بھی تھے جن کا بیان گزر چکا۔ ان دو کے علاوہ ان کے لئے اور دو باغ ہیں جن کے اوصاف سابقہ دو سے مختلف ہیں۔ جس کا بیان آگے آرہا ہے۔ بہرحال خائفین میں سے ہر ایک کے لئے چار چار جنتیں ہوں گی جو جہات اربعہ میں شرق و غرب، شمال و جنوب میں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ جس جہت چاہو رہو۔ اگرچہ وہاں یہ لیل و نہار، یہ چاند سورج اور اون سے متعین ہونے والے جہات اربعہ نہ رہیں گے۔ وہ سماں ہی اور ہوگا مگر یہاں کی

موجودہ حالت سے نہایت ارفع واعلیٰ جس کی بہتری و برتری بیان میں نہیں آسکتی ۔

دوسرا جواب دوسرا جواب یہ ہے کہ سابقہ دو باغ تو خائفین کیلئے تھے جو مقربان بارگاہ ہیں ۔اور یہ دو باغ اصحاب الیمین کے لئے ہوں گے جن کا بیان قرآن کریم میں متعدد جگہ آیا ہے ۔نیز اس سورت کے بعد ہی سورۂ واقعہ میں اوس کی توضیح فرمائی جا رہی ہے ۔مقربین کے مقابلہ میں چونکہ اصحاب الیمین کا رتبہ کم ہے اس لئے ارشاد ہوا :۔ ومن دونھما جنتان ۔یعنی سابقہ جنتوں سے گھٹے ہوئے دو جنتیں اور ہیں ۔" اصل یہ ہے کہ لفظ دُوْن کے کئی معانی ہیں ۔یہ لغات اضداد سے ہے ۔اس کا اشتقاق دَنِیٌٔ اور دُنُوٌّ دونوں سے ہوسکتا ہے ۔اگر اس کو دَنِیٌٔ سے لیا جائے تو کم درجہ اور گھٹیا کے معنی ہوں گے اور اگر دُنُوٌّ سے لیا جائے تو نزدیک اور قریب کے معنی ہوں گے ۔اس کے علاوہ یہ غَیر یعنی سوا اور بجز کے معنی میں بھی آتا ہے ۔ان اعتبارات سے لازمی طور پر تفسیر میں اختلاف ہوگا ۔اسی وجہ سے مفسرین کرام نے مختلف معانی لکھے ہیں ۔اور ہر ایک نے اپنی اختیار کی ہوئی شق کی توجیہ کی ہے جو بجائے خود

صحیح ہے جس کی صراحت آگے آئے گی۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ - پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ کیا ان دو جنتوں کا بھی انکار کرو گے؟ اور یہ انکار کیا کام دے گا جب کہ اون میں رہنے والے اون کا مشاہدہ کرتے ہونگے۔

مدھامتان کی تفسیر مُدْهَآمَّتٰنِ - وہ دونوں باغات نہایت سرسبز مائل بہ سیاہی ہیں" ابن عباسؓ فرماتے ہیں:—

قد اسودتا من الخضرۃ التی من الری من المآء - (ابن ابی حاتم) خوب سیراب ہوکر ایسے سرسبز ہیں کہ سیاہ دکھائی دے رہے ہیں" اسی قسم کی روایات عبداللہ بن زبیرؓ، ابو ایوب انصاریؓ عطا بن ابی رباحؒ مجاہدؒ ابن جبیرؒ عکرمہ اور ضحاک رحمہم اللہ سے بھی مروی ہیں جن کے منجملہ ابو ایوب انصاریؓ کی روایت حضور اکرمؐ سے ہے۔

کیا مدھامتن آیت ہے؟ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ جابر بن زیدؒ نے نماز میں صرف مدھآمتان پڑھکر رکوع کر دیا" یہ اس بنا پر ہے کہ قرآن کریم کی کوئی سی آیت بھی نماز میں پڑھ لی جائے تو قراءت جو نماز کا رکن ہے بموجب ارشاد باری فاقرأوا ما تیسّر

من القرآن ادا ہو جائے گا۔ اور جابر بن زید مدھامّتان کو آیت مانتے تھے۔ قراء کے نزدیک یہ آیت ہے۔ اسی وجہ سے مصاحف شریفہ میں اس کے بعد علامت آیت ○ لکھی ہوئی ہے لیکن فقہاء کے نزدیک آیت قرار دینے کے لئے اس کا کم از کم دو کلموں پر مشتمل ہونا ضروری ہے جیسے قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ اگر ایک ہی کلمہ ہو جیسے مُدْهَامَّتَان وہ آیت نہیں کہلائے گی۔ بہر حال قراء کے مسلک کے لحاظ سے اس صورت میں نماز ہو جائے گی اور فقہاء کے مسلک کے مطابق صرف مدھامتان پڑھ دینے سے نماز نہ ہوگی۔ یہ ایک درمیانی بحث تھی جو افادہ عوام کے لئے لکھ دی گئی۔ واللہ اعلم۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟ کیا ان باغات کی ایسی سرسبزی کا بھی انکار کرو گے؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔

فِيهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○ 55-66 55-67

فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○ 55-68 55-69

لہ نضخہ ینضحہ و ینضخہ نضخا رشہ و بلہ کنضحہ و قیل ھو ابلغ

اون میں دو چشمے ہیں اُبلتے ہوئے' پھر اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاتے جاؤگے؟ اُن میں میوے ہیں اور کھجوریں اور انار پھر اپنے رب کی کن کن

(بقیہ حاشیہ ۱؎ صفحہ گذشتہ)

من النضح وقيل دونه ونضخ الماء نضخا و نضخانا اشتد فورانه من ينبوعه او ما كان منه من سفل الى علو والنضاخ الكثير الغزير من الغيث يقال غيث نضّاخ ـ عين نضّاخة اى فوّارة غزيرة وفى سورة الرحمن عينان نضّاختان قال ابوعبيدة اى فوّارتان (محيط المحيط) نضخ باب ضرب اور فتح سے چھڑکنے اور ترکرنے کے معنی میں آتا ہے نضح کے بھی یہی معنی ہیں ـ بعض کہتے ہیں کہ یہ نضح سے بڑھکر ہے بعض اوس سے کم بتلاتے ہیں ـ نضخ الماء کے معنی چشمے سے اُبلنے کے ہیں ـ اُبلتے چشمے کو عین نضّاخۃ کہتے ہیں نیز ایسے چشمہ کو جس کا پانی نیچے سے اوپر چڑھتا ہو ـ جس میں پانی بکثرت ہو تو نضّاخ بصیغہ مبالغہ کہتے ہیں چنانچہ عینٌ نضّاخۃٌ کے معنی ہیں پانی کی کثرت سے اچھلنے والا ـ سورۃ الرحمن میں عینان نضّاختان جو وارد ہے ابوعبیدہ امام لغت نے اس کے معنی فوّارتان لکھے ہیں یعنی اُچھلنے والے"

نعمتوں کو جھٹلاتے رہو گے؟

عینٰن نضّاختٰن کی تفسیر

عینٰن نضّاختٰن کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ چھڑکاؤ کرنے والے چشمے جس سے زمین کی صرف بالائی سطح کسیقدر تر ہو جاتی ہے اس اعتبار سے یہ باغات اصحاب الیمین کے ہوں گے جن کا درجہ مقربین سے کم ہے۔ یہ اگرچہ صرف ترشّح ہے مگر اس میں بھی ایک لطف خاص ہے جو زمین کے دُھلنے میں نہیں۔ کما قال الشاعر: ؎

جشن شاہی میں عجب رنگ اُچھلتے دیکھا　　ساغر عیش کو بے پاؤں کے چلتے دیکھا

دوسرے معنی اُبلنے چشمے۔ ان کا لطف کیا پوچھنا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم باری سے پتھر پر اپنی عصا سے ایک ضرب لگائی تھی تو بارہ چشمے پھوٹ نکلے تھے اس زور کے ساتھ کہ ہر چشمے کے جوش سے ایک نیا نغمہ سنائی دیتا تھا کہتے ہیں کہ ندا آئی: "موسیٰ قِ - اس کی حفاظت کرو"۔ یہی محفوظ نغمے آگے چل کر فن موسیقی کی اصل قرار پائے واللہ اعلم۔ اس لحاظ سے یہ باغات خائفین مقربین کے ہوں گے جن کی بدولت کہیں تو چمن کی آبیاری ہوتی ہوگی۔ کہیں فوّاروں کا نظارہ ہوگا کہیں دلکش نغموں کے ذریعہ سامعہ نوازی ہوتی ہوگی۔

فَبِأَیِّ آلاءِ ربکما تکذبان ۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

کیا ان نعمتوں کی تکذیب بھی کروگے؟ اگر تکذیب کروگے تو یاد رکھو محروم رہوگے۔

نعوذ باللہ منہ۔

نخل جنت کا بیان فیہما فاکھۃ ونخل ورمّان' ان باغات میں

میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے"۔ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ ایسے

باغات تو دنیا میں بہت ہیں۔ نہیں نہیں نخل جنت کی نسبت حضرت ابن

عباسؓ فرماتے ہیں:۔ نخل الجنّۃ جذ وعہا زمرّد اخضر' وکربہا ذہب

احمر' وسعفہا کسوۃ لاھل الجنّۃ' منہا مقطعاتہم وحللہم' وثمرہا

امثال القلال والدلاء' اشدّ بیاضاً من اللبن' واحلیٰ من العسل'

والین من الزبد لیس لہ عجم' (ابن مبارک' ابن ابی شیبہ' ہناد' ابن ابی الدنیا'

ابن المنذر' ابن ابی حاتم' ابوالشیخ' حاکم بروایت صحیحہ' بیہقی) نخل جنت کی صفت

یہ ہے کہ اون کی تنہ' زمرد سبز کی ہوگی' اوس کی ٹہنیاں زر سرخ کی ہونگی اور

اوس کی شاخوں سے جنتیوں کا لباس تیار ہوگا۔ کتر بیونت کیا جانے والا

لباس ہو یا بغیر اوس کے استعمال کیا جاتا ہو اوس کے پھل بڑے بڑے مٹکوں

اور ڈول کے برابر' دودھ سے سفید تر' اور شہد سے شیریں تر اور مسکہ سے

نرم تر ہوں گے اون میں گٹھلی نہ ہو گی"

جنت کے انار اور فواکہ | انار اور دوسرے فواکہ کو یہاں کے میووں کا صرف نام دیا گیا ہے اس اعتبار سے کہ اون کی صورت اس جیسی ہے۔ مگر اونکی بالیدگی، شیرینی، لطافت، خوشبو، ذائقہ، اور خواص، ان میووں سے کہیں بالاتر ہوں گے۔ حدیث شریف میں ہے:۔ من اکل رمانا انار اللّٰہ قلبہ اربعین یوما۔ جو ایک دفعہ انار کھا لیتا ہے تو اللہ سبحانہ چالیس دن تک اوس کے دل کو نورانی بنا دیتا ہے"

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ مامن رمانة من رمانکم ھذہ الا وھی تلقح وبحبة من رمان الجنة۔ (ابن انس، عن ابن عباسؓ) تمھارے ان اناروں میں سے جو انار بھی ہے وہ جنت کے انار دانہ سے فیضان پاتا ہے" اسی سے وہاں کے اناروں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

جنت کے میووں کا حال عام طور پر یہ ہو گا:۔ کلما نزعت ثمرة عادت مکانہا اُخریٰ وانہارھا تجری فی غیر اخدود۔ (روح البیان) اون کا ایک پھل کبھی توڑ لیا جائے تو فوراً دوسرا اوس کی جگہ آ موجود ہو گا

اوس کی نہریں بغیر نالیوں کے بہتی ہوں گی "

اگر یہ باغات اصحاب الیمین کے قرار دئے جائیں تو جنات المقربین کے مقابلہ میں یہ اس وجہ سے کم ہیں کہ جنات المقربین کا ہر میوہ دو طرح کا تھا۔ یہ وصف اصحاب الیمین کی جنتوں میں نہیں۔ نیز اس میں نخل و رمان کا ذکر ہے یعنی کھجوریں اور انار۔ کھجور خالص میوہ نہیں بلکہ اس میں غذائیت غالب ہے اور انار کا شمار دواؤں میں ہے جن کی ضرورت بھوکوں اور بیماروں کو ہوتی ہے۔ مقربین کو کسی غذا اور دوا کی حاجت نہیں۔ اونھوں نے اپنی خودی کو خوف خدا میں اس طرح فنا کر دیا ہے کہ اون کی عبودیت میں کوئی نقص باقی نہ رہا۔ یہ بارگاہ الٰہی میں قلب سلیم لیے ہوئے حاضر ہوئے ہیں۔ غذا و دوا کے محتاج نہ رہے۔ اس لئے اون کی ضیافت صرف فواکہ جنت سے کی جارہی ہے۔ اصحاب الیمین ان کے ہم رتبہ نہیں ہو سکتے اس لئے ان کی ضیافت فواکہ سے بھی ہو رہی ہے اور غذا و دوا بھی ساتھ ساتھ ہے۔

اگر یہ باغات بھی مقربین کے لئے تسلیم کئے جائیں تو معنی یوں ہوں گے کہ سابقہ دو جنتیں تو اون کے اعمال کی جزا کے طور پر تھے اور یہ دو جنتیں

فضل الٰہی سے مزید عطا ہوئی ہیں۔ واللہ ذو الفضل العظیم۔
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ کیا ان نعمتوں کو بھی جھٹلا سکو گے؟ حاشا وکلا۔

فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ[1] حِسَانٌ ج فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ 5-70 5-71
حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ج فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ 5-72 5-73
لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ج فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا 5-74 5-75
تُكَذِّبَانِ ۝ ان (جنتوں) میں اچھی عورتیں ہیں (نہایت) حسین۔ پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ حوریں ہیں (سفید آنکھوں میں نہایت سیاہ پتلیاں والی) ٹھہرائی ہوئی خیموں میں، پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ نہیں چھوا اُن کو کسی آدمی نے اُن سے پہلے

[1] خَيْرَاتٌ مخففة من خيّرات جمع خيّرة لان خير الذی بمعنی أخير لا يجمع فلا يقال فيه خيرون ولا خيرات (روح البیان) خیرات بہ تخفیف یا خیّرات کا مخفف لفظ ہے۔ یہ خیّرۃ کی جمع مونث سالم ہے خَیر بالتخفیف جو اَخیَر صیغہ اسم تفضیل کا ہم معنی ہے اس کی جمع سالم خیرون یا خیرات نہیں آتی" بلکہ اس کی جمع مکسر اَخیَار اور خِیَار آتی ہے یعنی بہت اچھے اور نہایت ہی اچھے۔ واللہ اعلم۔

اور نہ کسی جن نے، پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟

خیرات حسان کی تفسیر ابو صالح کہتے ہیں :۔ عذاری الجنة ۔ (ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید) جنت کی دوشیزہ عورتیں مراد ہیں۔"

قتادہؒ کہتے ہیں :۔ خیرات الاخلاق حسان الوجوہ۔ (عبدالرزاق، عبدبن حمید، ابن جریر) خوش خلق، خوب صورت۔"

امام اوزاعیؒ فقیہ شام فرماتے ہیں :۔ لسن بذیات اللسان ولا یغرن ولا یؤذین ۔ (ابن مبارک) وہ زباں دراز نہ ہوں گی۔ اون کو دوسری عورتوں سے جلاپا نہ ہوگا۔ نہ وہ اپنے شوہر کو ایذا پہنچائینگی۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :۔ لا مراحات، ولا طماحات، ولا بخرات ولا ذفرات ۔ (ابن ابی شیبہ، ابن ابی الدنیا، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) نہ غرور سے اکڑنے والیاں، نہ شوہر سے منہ پھیرنے والیاں، نہ گندہ دہن، نہ گندہ بغل۔" بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے ولا متشوفات، ولا ذربات، ولا سلیطات، ولا طوافات فی الطرق ۔ نہ دوسروں کو دیکھنے والیاں، نہ چرب زبان، نہ زباں دراز، نہ راستوں میں پھرنے والیاں۔" بہرحال دُنیا کی

عورتوں میں جو عیوب پائے جاتے ہیں ان سب سے پاک اور مبرا۔ خلاصہ وہی ہوا جو قتادہ سے مروی ہے۔ خیرات الاخلاق حسان الوجوہ خوش خو اور خوب رو۔"

مسلمان بہنوں سے خطاب اوپر جن امور کا بیان ہوا ہے عموماً شوہر کو ناپسند ہوتے ہیں اگر وہ اغماض اور چشم پوشی سے کام لیتا ہے تو اوس پر دلیر نہ ہونا چاہئے۔ جو امور ترک کئے جا سکتے ہیں اون کو ترک کرنا چاہئے۔ اور اگر کوئی بات اپنے بس کی نہیں مثلاً گندہ دہنی وغیرہ جو فطری امر ہے تو اس کے مدنظر اپنی اکتسابی خوبی میں اضافہ کر دینا چاہئے مثلاً فوری اطاعت وغیرہ۔ خصوصاً راستوں میں پھرنا اور مردانہ مجالس میں، وہ بھی بن سنور کر آنا یہ شریعت محمدی میں کسی حال جائز نہیں۔ جنتی عورتوں کا یہ شیوہ نہیں ہے جیسا کہ روایت بالا سے معلوم ہوا۔ واللہ الموفق

فبایّ اٰلاۤءِ ربکما تکذبان۔ پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ کیا ان نعمتوں کا بھی انکار کرو گے؟

یہ تو وہ عورتیں تھیں جو نساء دنیا سے جنتیوں کے لئے مخصوص کی گئی ہیں ان کے علاوہ کیا کیا تیاریاں ہیں؟ ارشاد ہے:—

حورٌ مقصوراتٌ فی الخیام۔ حوریں ہیں نہایت سیاہ پتلیاں والی جو خیموں میں ٹھہرائی گئی ہیں"۔ جنت میں آنے والے شوہر کا استقبال کرنے کے لئے انتظار کر رہی ہیں۔

حورٌ مقصورات فی الخیام کی تفسیر | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ لما اسری بی دخلت الجنۃ فاتیت علی نہر یسمی البیذخ علیہ خیام اللؤلؤ والزبرجد الاخضر والیاقوت الاحمر فنودیت السلام علیک یا رسول اللہ فقلت لجبرئیل ما ھذا النداء قال ھؤلاء المقصورات فی الخیام استأذن ربّھن فی السلام علیک فاذن لھنّ فطفقن یقلن نحن الراضیات فلا نسخط ابدا ونحن المقیمات وفی لفظ الخالدات فلا نظعن ابدا۔ (ابن مردویہ، بیہقی عن انس رض) لیلۃ الاسراء میں جب مجھے سیر کرائی گئی تو میں جنت میں گیا ایک نہر پر پہنچا جس کا نام "بیذخ"[لہ] ہے۔ اوس کے کناروں پر سپید

لہ فارسی میں شراب کو "بادہ" کہتے ہیں۔ "بیذخ" اوسی کا معرب ہے۔ یعنی شراب کی نہر پر گذر ہوا۔ کما قال تعالیٰ وانھارٌ من خمرٍ لذۃٍ للشاربین۔ جنت میں شراب کی نہریں ہوں گی جس کے پینے والوں کو خوب لطف آئیگا"۔

موتیوں اور زمرد سبز اور لعل سرخ کے خیمے پڑے ہوئے ہیں۔ وہاں سے مجھے آوازیں آنے لگیں۔ السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا رسول اللہ۔ اے اللہ کے پیارے رسول! آپ پر ہمارا اسلام ہو۔ اور اے رسول کریم! ہمارا اسلام لیجئے۔ میں نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کیا آوازیں آرہی ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ (صنف نازک کا) ایک گروہ ہے یہ ان ڈیروں میں ٹھہرائی گئی ہیں۔ آج انھوں نے اپنے پروردگار تعالیٰ شانہٗ سے اجازت چاہی تھی کہ (یہاں آپ کی رونق افروزی ہوگی تو) یہ آپ کو سلام کریں گی۔ اللہ جل شانہ نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی (حضورؐ فرماتے ہیں) وہ متفق اللفظ یہ کہہ رہی تھیں کہ ہم اپنے اپنے شوہر سے خوش رہینگی کبھی ناراض نہ ہوں گی۔ ہم ہمیشہ یہیں رہیں گی۔ یہاں سے سفر نہیں کریں گی۔" وہاں حوروں کا جو نغمہ ہوگا اوس کا ترجمہ یہ ہے:۔

حورِ عین کا نغمہ ہم خوش وخرم رہنے والیاں ہیں۔ ناراضی کیا ہے ہم کو معلوم نہیں؟ ہم ہمیشہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے والیاں ہیں۔ اوس کو چھوڑ کر چلی جانا ہم کو معلوم ہی نہیں؟ ہم ہمیشہ زندہ رہنے والیاں ہیں۔ موت کو ہم جانتی تک نہیں۔ ہماری تازگی اور رونق دائمی ہے سن رسیدگی یا خشکی

بے رونقی سے ہم کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ہم خوش خو اور خوب رو ہیں اور باعزت شوہر کی محبوب ہیں۔"

امام ترمذیؒ نے حضرت سیدنا علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی کے قریب قریب روایت نقل کی ہے۔

مومنات اہل دنیا کا جواب حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:۔ انّ الحور العین اذا قلن ھذہ المقالۃ اجابھنّ المؤمنات من نساء اھل الدنیا:۔

نحن المصلّیات وما صلّیتنّ، ونحن الصائمات وما صمتنّ ونحن المتوضّأٰت وما توضّأتنّ، ونحن المتصدّقات وما تصدّقتنّ،

قالت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فغلبنھنّ واللہ (جمل علی الجلالین)

حور عین جب مذکورہ نغمہ سے فارغ ہو جائیں گی تو اہل ایمان خواتین اون کو یہ جواب دیں گی۔"

نساء مومنات کا نغمہ ہم وہ ہیں جو (مدۃ العمر شوہر کی خدمت کیا کیں) نمازیں (بھی) پڑھتی رہیں۔ اور نماز کیا چیز ہے تم جانتی تک نہیں اور ہم

وہ ہیں جو روزہ رکھا کرتی تھیں اور تم کو روزے کی خبر تک نہیں۔ اور ہم باوضو رہا کرتی تھیں اور تم وضو کیا جانیں۔ اور ہم خیرات وصدقات میں حصہ لیتی رہیں۔ اور تم کیا جانو کہ خیرات کیا ہے۔" اس کے بعد حضرت ام المؤمنین نے فرمایا بخدا! نساء مومنات حور عین پر غالب رہیں۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ نساء مومنات کے اس نغمہ میں اُن آیات کریمہ کی طرف اشارہ ہے جن میں ایمان دار عورتوں کی فضیلت بتائی گئی ہے۔ مثلاً فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ۔ نیک بی بیاں اطاعت گزار ہوتی ہیں غائبانہ محافظ ہوتی ہیں اللہ سبحانہ کی حفاظت سے۔" مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا۔ حکم بردار یقین رکھنے والیاں نماز میں کھڑی ہونیوالیاں توبہ کرنے والیاں بندگی بجالانے والیاں روزہ رکھنے والیاں بیاہیاں اور کنواریاں۔" اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ

کثیرا والذّٰکرٰت اعدّ اللّٰہ لہم مغفرۃ واجرا عظیما۔ یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں، اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں، اور سچے مرد اور سچی عورتیں، اور محنت جھیلنے والے مرد اور محنت جھیلنے والی عورتیں اور (امر الٰہی کے آگے) دبے رہنے والے مرد اور دبی رہنے والی عورتیں، اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور حفاظت کرنے والے مرد اپنی شہوت کی جگہ کو اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور کثرت سے اللہ کی یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، رکھی ہے اللہ نے اُن کے واسطے معافی اور ثواب بڑا۔"

ایماندار عورتوں کی فضیلت حورِ عین پر یہاں ایک بحث یہ ہے کہ جنتی بی بیاں، اور حورِ عین، ان دونوں میں فضیلت کن کو حاصل ہے؟ روایات دونوں جانب ہیں لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ بہادر مردوں کے ساتھ صنفِ نازک کی یہ ہمسری ان صفاتِ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ میں یقیناً قابلِ داد ہے حورِ عین کے یہ نصیب کہاں۔ امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ راوی ہیں :- ان نساء اھل الدنیا

اذا دخلن الجنّۃ فُضّلن علی الحور العین باعمالھن فی الدنیا۔
(ہناد) دنیا والوں کی بی بیاں جب جنت میں جائیں گی تو اپنے اعمال صالحہ کی بدولت جو دنیا میں کئے تھے حور عین پر بھی فضیلت و برتری پائینگی "۔
صنف نازک کو یہ فضیلت مبارک ہو آمین۔
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۔ پھر اپنے رب کی کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟
کیا ان نعم جلیلہ کا بھی انکار کرو گے؟
لَمْ یَطْمِثْھُنَّ اِنْسٌ قَبْلَھُمْ وَلَا جَآنٌّ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۔ ان حوروں کو قبل ازیں نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جنّی نے۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" کیا کوئی اس کا انکار بھی کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ لم یطمثھن کی تفسیر اسی رکوع میں گزر چکی ہے۔

76 مُتَّکِئِیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ[1] خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ[2] حِسَانٍ ۚ فَبِاَیِّ
77 اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۔ تکیہ لگائے ہوں گے سبز مسندوں پر اور قیمتی

[1] رفرف وسائد او نمارق جمع رفرفۃ وقیل الرفرف ضرب من البسط

(۵۵) (س) ۲۲، ۲۳ ۵

نفیس بچھونے پر۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ ۔

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

اوذیل الخیمة وقد یقال لکل ثوب عریض ۔ (محیط المحیط عن البیضاوی)
تکیے اور مسندوں کو رفرف کہتے ہیں یہ رفرقۃ کی جمع ہے ۔ نیز رفرف ایک خاص نوع کے بچھونے کو بھی کہتے ہیں ۔ خیمہ کی جھالر بھی رفرف ہے نیز ہر ایک کپڑا جس کا پنہا (عرض) زیادہ ہو"۔ **فقیر** عرض کرتا ہے یہاں مسند مراد ہے جس میں نرم گدے، تکیے، قیمتی فرش، جھالر پھندنے سبھی کچھ لگے رہتے ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

۲ه العبقر موضع تزعم العرب انہ من ارض الجن و عبقر ایضا قریة ثیابھا فی غایة الحسن ۔ العبقری الکامل من کل شیئ والسید والذی لیس فوقه شیئ والقوی والشدید وضرب من البسط فاخر فیه اصباغ و نقوش (محیط المحیط) "عبقر" ایک جگہ کا نام ہے جس کی نسبت عرب کہتے ہیں کہ وہ مسکن جن ہے ۔ نیز ایک مقام کا نام ہے جہاں نفیس کپڑے تیار ہوتے ہیں عبقری (اسی کی طرف منسوب ہے ۔ نیز) ہر کامل شئ کو عبقری کہتے ہیں ۔ اور سردار اور وہ جس سے بڑھ کر کوئی نہ ہو ۔ زور آور، سخت، اور بہترین بچھونا رنگ برنگ کا جس میں نقوش اور جھالر چھاپے ہوں"۔ **فقیر** عرض کرتا ہے یہاں آخری معنی ہی مراد ہیں ۔ واللہ اعلم

متکئین علیٰ رفرف کی تفسیر یعنی اہل جنت جو نعم جنت سے مستفید ہوں گے اون کی شان یہ ہوگی کہ وہ فرش زمردیں پر جو رنگ برنگ کے نقوش اور اعلیٰ بیل بوٹوں سے مزین ہوگا مسند لگائے ہوئے ان تیاریوں کا نظارہ کرتے ہوئے اللہ سبحانہ کی مہیا فرمائی ہوئی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہونگے۔

اگر یہ دونوں جنتیں ابرار و اصحاب الیمین کی قرار دی جائیں تو گو بجائے خود یہ باغات اور یہ سامان تفریح ایک خاص شان کا حامل ہے لیکن مقربین کی جنتیں کچھ اور ہی شان خاص رکھتی ہوں گی۔ اگر یہ فرش و فروش، رنگ و نقوش کا مظاہرہ کرتا ہوگا تو مقربین کی مسندیں حسن ثیاب فاخرہ سے تیار ہوں گی اپنی نوع و جنس کے اعتبار سے ایسی نفیس ہوں گی کہ اون کا استر تک دبیر ریشم کا ہوگا ابرا کیا ہوگا اوس کو استر پر قیاس کر لیا جائے۔ رنگ اور نقش اعراض میں شامل ہے اور استر و ابرا جواہر میں عرض عرض ہے اور جوہر جوہر۔ اور اگر یہ جنتیں بھی مقربین ہی کی ہیں تو بمصداق کل جدید لذیذ ہر نئی چیز بالذت ہوتی ہے اون کا لطف دوبالا ہوگا۔

نوشیروان کے ایوان خاص کا فرش لکھا ہے کہ نوشیروان کا فرش جو اوسکے

ایوانِ خاص میں بچھایا جاتا تھا۔ ساٹھ مربع گز کا تھا۔ موسم بہار میں رنگ برنگ کے پھول جو کھلتے ہیں اون کے ہم رنگ جواہرات اور موتی اوس میں پروئے جاتے۔ اور بہار ختم ہو جانے کے بعد اوس کو ایوان خاص میں بچھایا جاتا تھا۔"

یہ تکلفات ایک حصۂ زمین کے دو روزہ بادشاہ کے تھے تو احکم الحاکمین کی مہمان نوازی اپنے مقربین و محبوبین کیلئے کیا کچھ شاندار ہوگی؟

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟

قوم سے خطاب یاد رکھو کہ دنیوی نعمتوں کے انکار کی گنجایش نہیں جن کا بیان اس سورت مبارکہ کے پہلے رکوع میں گزر چکا۔ اور نہ اُن سزاؤں اور تعزیرات کا انکار کیا جا سکتا ہے جو خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے مقرر ہیں جن کا بیان دوسرے رکوع میں ہوا۔ کیوں کہ ہر سلطنت' اپنے قانون کی خلاف ورزی پر قانونی سزا سے نہیں چوکتی۔ لہٰذا احکم الحاکمین کا قانون الٰہی بھی ہے کہ اپنے نافرمان خطا کار افراد اور جماعتوں کو اون کے کیفر کردار کو پہنچائے اور دستور الٰہی میں بتائی ہوئی سزائیں اون کے حق میں نافذ کرے کہ یہی تقاضائے عدل ہے۔ معمولی عقل و فہم والا بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ رہی اخروی نعمتیں جن کا بیان تیسرے رکوع میں ہوا ہے اونکو بھی

تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ اگر انکار کروگے تو نتیجہ محرومی اور صرف محرومی ہوگا۔ غور کرو
اور خوب غور کرو کہ یہ سارا نقصان محض حکومت الٰہیہ کے تسلیم نہ کرنے کا ہے۔ اگر اس پر آئندہ بھی
اڑے رہوگے تو خود اپنا نقصان کروگے اور جو تیاریاں تمہارے لئے کی گئی ہیں
وہ صرف تمہارے انکار کے باعث خدائے بے نیاز کے احکام ماننے والے دیگر
اصحاب کو دیدی جائینگی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جنتیں جملہ بنی آدم کی
تعداد کے مطابق بنائی گئی ہیں۔ مستحقین کو اون کا حق بہرحال ملیگا۔ اور جو غیر مستحق
قرار پائینگے اون کا حصہ بھی اُن ہی مستحقین کو دیدیا جائیگا۔ ذٰلک فضل اللّٰہ۔
لہٰذا خیر اسی میں ہے کہ طریق انکار چھوڑدیں اور اقرار و تسلیم کی راہ اختیار کریں۔

۵۵-۷۸ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ؏ "بڑی برکت
والا ہے نام آپؐ کے رب کا جو بڑائی والا اور عظمت والا ہے۔"

(۵۵) رکوع ۳ ع ۲۳ / ۱۳

اسم اعظم سے دعا قبول ہوتی ہے

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں: سمع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم رجلا یقول یاذا الجلال
والاکرام قال قد استجیب لك فسل۔ (ادب للبخاری، ترمذی، ابن مردویہ،
بیہقی) نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے یہ کلمہ دعائیہ سماعت
فرمایا: یاذاالجلال والاکرام اے بڑائی والے اور عظمت والے خدا!

آپؐ نے فرمایا۔ تیری یہ دعا قبول کرلی گئی اب مانگ لے۔ (جو مانگنا چاہتا ہے)"۔

ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا انصرف من صلاتہ استغفر ثلاثا ثم قال اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو تین دفعہ استغفار فرماتے پھر یہ دعا پڑھتے:۔ (ترجمہ) اے اللہ! تو ہی سلامتی والا ہے اور تجھی سے رب کی سلامتی ہے اے بڑائی والے اور عظمت والے خدا! تو کیا ہی برکت والا ہے"۔

بہرحال "ذوالجلال والاکرام" اسم اعظم ہے جس پر یہ سورۃ عظیمہ ختم ہو رہی ہے۔

تبرک اسم ربك کی تفسیر | تبارك اسم ربك ذی الجلال والاکرام میں

یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اس سورۃ عظیمہ کے پہلے رکوع میں جن دنیوی نعمتوں کا بیان ہوا اور دوسرے رکوع میں جس دستور عدل کا ذکر کیا گیا اور تیسرے رکوع میں جن اخروی نعمتوں کی تفصیلات سنائی گئیں یہ سب کچھ اسی ذو الجلال و الاکرام کے نام کی برکت ہے۔ اور اس دنیائے دنی میں اللہ سبحانہ کے نام کے سوا اور کونسی چیز ہے

جو مومن کی دلچسپی اور اوس کے سکون قلب کی موجب ہو۔

اللہ کے نام کی برکت شرطِ ایمان ہے:۔ لآ الٰہ الا اللہ۔ کسی کام کا آغاز ہے۔ بسم اللہ۔ نماز کا آغاز ہے تو ارشاد ہوا:۔ وذکر اسم ربہ فصلّٰی۔ اللہ کا نام لیا اور نماز پڑھی“ اسی سے ماخوذ ہے:۔ سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک:۔ اے اللہ تو ہر ناموزوں وصف سے پاک ہے اور تیری ہی تعریف ہے۔ اور تیرا نام بھی کیا بابرکت ہے“ نماز میں حکم ہے: فسبّح باسم ربّک العظیم۔ سبّح اسم ربّک الاعلیٰ۔ اپنے باعظمت رب کے نام کی پاکی بیان کیجئے۔ اپنے رب کے نام کی پاکی بیان کیجئے جو سب سے بلند تر ہے“ اسی سے تسبیحات رکوع وسجود سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ ماخوذ ہیں۔ سوتے جاگتے ہر تم ادب یوں سکھایا گیا ہے کہ باسمک اموت وباسمک احیا کہیں۔ پروردگار! میں تیرا ہی نام لے کر سوتا ہوں اور تیرا ہی نام لیکر اٹھتا ہوں“ کسی اہم کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو یوں کہتا چاہیے بسم اللہ الذی لایضرّ مع اسمہ شیئٌ فی الارض ولا فی السمآء۔ اللہ کے نام سے آغاز کرتا ہوں جس کا نام لینے کے بعد نہ کوئی چیز زمین میں ضرر پہنچا سکتی ہے اور نہ آسمان میں“ جانور ذبح کرتے ہیں تو یہ کہنے کا

حکم ہے۔ بسم اللہ واللہ اکبر ”اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہوں اور اللہ ہی رب سے بڑا ہے“
جہاز پر سوار ہو کر نوح علیہ السلام نے یہ پڑھا۔ بسم اللہ مجریها ومرسٰها۔ ”اسکی روانی اور
ٹھہراؤ دونوں کام اللہ کے نام سے ہیں“ اسلئے ہر سواری پر جاتے ہوئے یہ دعا پڑھی جاتی ہے۔
الغرض جو کام بھی ہو خواہ دنیا کا خواہ عقبیٰ کا۔ اللہ کے نام سے کیا جاتا ہے۔ اسی نام پاک
کی برکت ہے۔ اس حیات دنیا میں مومن کی نظر اللہ سبحانہٗ کے نام پر ہے۔ اسی نام پر وہ
ہر کام کرتا ہے۔ اس لحاظ سے مومن کو یہاں جو کچھ ملتا ہے یا ملا ہے اور آخرت میں جو کچھ ملیگا
وہ اللہ سبحانہٗ کے نام پاک ہی کی برکت ٹھہری۔ اسلئے ارشاد ہو رہا ہے۔ تبارک اسم
ربك ذی الجلال والاکرام کیا ہی با برکت نام ہے آپ کے پروردگار کا
جو ہر طرح کی بڑائی والا اور کمال درجہ کی عظمت والا ہے“

اسم کی برکت سے مسمّیٰ کی برکت اب غور کرنا چاہیے کہ رب العزۃ کے نام
پاک کے یہ برکات ہیں تو اس کی ذات بے چون وبے چگون کی کیا شان ہوگی؟
اہل جنت اس نعمت مشاہدۂ الٰہی سے سرفراز ہونگے۔ اسم ایسا ہے تو مسمّیٰ کیسا ہوگا؟
سبحانہ ما اعظم شانہ۔ جل جلالہ وعم نوالہ۔

الحمد للہ کہ درس القرآن سورۃ الرحمٰن کی تفسیر ختم ہوئی۔ **دعا** ہے کہ
اللہ سبحانہٗ تعالیٰ حسن قبول عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

(۱۰ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۷۴ھ روز جمعہ)